(الاکرامیة بالاعملیة والاعلمیة)

(معیار شرافت علم وعمل)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	ترتیب مصحف پر اجماع	۹
۲	ضرورت علم	۱۰
۳	ضرورت عمل	۱۱
۴	علم وعمل کی کمی	۱۲
۵	اصل شرف	۱۳
۶	اہل شرف کہلانے کے لئے قیاسات بعیدہ	۱۴
۷	چند لطیف حکایات	۱۵
۸	شرف نسب کے نعمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں	۱۶
۹	فضیلت قریش	۱۸
۱۰	اہل انساب کی شان متبوعیت	۱۸
۱۱	صاحب نسب ہونے کی فضیلت	۱۹
۱۲	اہل عرب کی عادت	۲۰
۱۳	شریعت میں ماں کے نسب کا اعتبار نہیں	۲۱
۱۴	سیادت کی بناء اولاد حضرت فاطمہ k پر ہے	۲۱

۱۵	اصل شرف علم وعمل ہے	۲۲
۱۶	طوطے کی حرص	۲۳
۱۷	پڑھنا پڑھانا صرف درس ہی پر موقوف نہیں	۲۴
۱۸	ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب	۲۴
۱۹	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر	۲۴
۲۰	مسائل نماز سے بے خبری	۲۵
۲۱	نماز پڑھنے میں فلاح دارین ہے	۲۶
۲۲	آج کل روپیہ ملنے کا نام سب کچھ ہے	۲۷
۲۳	احمقوں کی مزاحیہ حکایات	۲۸
۲۴	دوسری حکایت	۲۹
۲۵	فلاح کی حقیقت	۲۹
۲۶	سلطان اللیل	۳۱
۲۷	ذوقی چیز	۳۱
۲۸	عنین طریق	۳۲
۲۹	اصل زندگی تو دراصل اہل اللہ کی ہے	۳۳
۳۰	اہل محبت کے احوال	۳۴
۳۱	نماز میں ظاہری و باطنی فلاح	۳۵
۳۲	نماز میں برابری	۳۷

۳۳	نماز کے دنیوی منافع	۳۸
۳۴	نماز کا اثر	۳۹
۳۵	ترکِ جماعت کی سزا	۳۹
۳۶	بے نمازی کے چہرے سے بدرونقی عیاں ہوتی ہے	۴۰
۳۷	مثنوی الہامی کتاب ہے	۴۲
۳۸	خدائی آگ	۴۳
۳۹	گناہوں کی حقیقت	۴۴
۴۰	ایمان کا اثر	۴۵
۴۱	ایک جماعت اولیاء کا حال	۴۵
۴۲	شریف طبائع کا خاصہ	۴۶
۴۳	ہماری قوت عملیہ کی کمزوری	۴۷
۲۴	احمق کی حکایت	۴۷
۲۵	علمی اور عملی کمزوری کا سبب	۴۸
۲۶	گناہوں کے ارکتاب کا سبب	۴۹
۲۷	بڑا اشرف خوف خدا ہے	۵۰
۲۸	علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ	۵۰
۲۹	ضرورت خلوت اور اس کا مفہوم	۵۱
۳۰	نیک لوگوں کی مجالست	۵۱

۳۱	خلوت کا طریقہ و فائدہ	۵۲
۳۲	فراغ و وسعت بڑی دولت ہے	۵۳
۳۳	مطالعہ دینی کتب و ذکر اللہ	۵۴
۳۴	عورتوں کی تعلیم کا طریقہ	۵۴
۳۵	عورتوں کی خوبی	۵۵
۳۶	علم و عمل پر فخر ممنوع ہے	۵۶
۳۷	خلاصہ وعظ	۵۸

t

وعظ

(الاکرامیة بالاعملیة والاعلمیة)

(معیار شرافت علم وعمل)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
نے یہ وعظ علم وعمل کی ضرورت کے متعلق ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ بروز
سہ شنبہ بعد نماز ظہر بیٹھ کر دو گھنٹہ ۱۵ منٹ ارشاد فرمایا جسے مولانا ظفر احمد
صاحب تھانوی m نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۵۰ تھی۔
اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو علم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی
۱۸/ستمبر ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں‘‘

وقال تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو‘‘

ترتیب مصحف پر اجماع

یہ جو میں نے تلاوت کیا ہے یہ دو آیت کے دو مختلف ٹکڑے ہیں اور گو میرا معمول یہ ہے کہ اکثر ایک ہی آیت کا بیان کرتا ہوں مگر اس وقت چونکہ میرا مقصود دو آیتوں سے حاصل ہوتا ہے ان میں بھی ان آیتوں کے اجزاء سے، اس لئے دونوں آیتوں کا ایک ایک جز و تلاوت کیا گیا اور گو تقریر استدلال میں ترتیب بالعکس (۳)

(۱) سورۂ فاطر: ۲۸ (۲) سورۂ الحجرات: ۱۳ (۳) اپنے مسئلہ کو میں ترتیب تلاوت کے علاوہ ترتیب سے مستنبط کرونگا۔

ہے کہ دوسرا حصہ مقدم ہوگا اور پہلا موخر ہوگا مگر میں نے ادباً ترتیب موجودہ قرآنی کا لحاظ کیا ہے اور ترتیب مصحف اسی طرح ہے جس طرح میں نے تلاوت کی ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب مجمع علیہ ہوچکی ہے، حضرات صحابہؓ نے جمع مصحف (۱) میں اس پر اجماع کیا ہے جس کی مخالفت کتابت مصحف (۲) میں تو حرام ہے اور اگر کوئی اس ترتیب کے خلاف مصحف لکھنا چاہے تو امام اس کو تعریز کرے (۳) اور تلاوت قرآن اور قراءت صلوۃ میں بھی اس کی رعایت واجب ہے اور قصداً مخالفت کرنا مکروہ ہے (سہواً ترتیب کے خلاف ہوجائے تو معاف ہے) اور گواس وقت تلاوت مقصود نہیں بلکہ تبلیغ احکام مقصود ہے۔

ضرورت علم

اور اس میں رعایت ترتیب واجب نہیں مگر ادباً رعایت کرلی گئی دوسرے حصہ کا ترجمہ تو یہ ہے کہ جو زیادہ ڈرنے والا ہے وہ خدا تعالیٰ کے یہاں زیادہ مکرم ہے اور پہلے حصہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اور کوئی بات نہیں ہے صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں نتیجہ اس کا نہایت بدیہی ہے (۴) جو استنباط کا محتاج نہیں ہے ایک آیت میں اکرامیۃ کا مدار تقویٰ (۵) پر رکھا گیا ہے اور دوسری آیت میں خشیت یعنی تقویٰ کو علم پر موقوف کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان بدوں (۶) علم کے اکرم نہیں ہوسکتا اور اس سے جو میرا مقصود ہے یعنی علم کی ضرورت جو کہ مجموعہ مقصود کا ایک جزو ہے وہ بھی ظاہر ہے محتاج بیان نہیں کیونکہ ان دونوں مقدموں کے ملانے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مقصود بالبیان (۷) کیا ہے اور ایک مقدمہ عقلی جو

---

(۱) قرآن کریم کے جمع کرنے میں اسی ترتیب پر اجماع کیا ہے (۲) قرآن لکھنے میں (۳) سزا دے (۴) بالکل واضح ہے (۵) مکرم و معظم ہونے کا مدار تقویٰ کو قرار دیا (۶) بغیر علم (۷) کسی بات کو بیان کرنے کا ارادہ ہے۔

ابھی ابھی بیان ہوگا اس کے ملانے سے وہ مجموعہ بھی ظاہر ہوجائے گا کیونکہ اس وقت میرا مقصود دو چیزوں کی ضرورت بتلانا ہے ایک علم دوسرے عمل سو علم کی ضرورت تو صراحتاً ثابت ہوگئی کیونکہ ایک آیت میں خشیت کو اس پر موقوف کیا گیا ہے کہ ایمان خوف ورجاء(۱) کے درمیان ہے تو جو اس کا موقوف علیہ ہوگا وہ بھی ضروری ہوگا تو علم کی ضرورت صراحتاً ثابت ہوگئی اب یہاں ایک مقدمہ عقلی یہ ملائیے کہ خوف جس طرح ایک درجہ میں خود بھی مقصود ہے اسی طرح عمل کے لئے بھی مقصود ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل کے لئے زیادہ مقصود ہے چنانچہ نصوص(۲) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ضرورت عمل

جب یہ بات ہے تو اب عمل کی ضرورت بھی ظاہر ہوگئی کیونکہ خوف وخشیت کا جس طرح ایمان کے لئے ضروری ہونا مسلم ہے(۳) اسی طرح خوف کی ضرورت عمل کی وجہ سے بھی ہے تو عمل بھی ضروری ہوا اب مقصود بالکل واضح ہوگیا کہ علم بھی ضروری ہے اور عمل بھی اور ہر چند کہ تقویٰ اور خشیت دونوں کے معنی لغتاً ڈرنے کے ہیں مگر اطلاقات قرآن (۴) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا استعمال زیادہ تر اس خوف کے لئے ہوتا ہے جس میں اجتناب عن المعاصی (۵) بھی ہو محض خوف اعتقادی کے لئے کم استعمال ہوتا ہے تو یوں کہئے کہ تقویٰ خوف مقرون بالعمل (۶) کو کہتے ہیں اور خشیت خوف اعتقادی کو، اس بنا پر یوں بھی کہنا ممکن ہے کہ ان دو آیتوں میں سے ایک میں یعنی ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾

(۱) خوف وامید کے مابین (۲) قرآن وحدیث سے (۳) تسلیم شدہ (۴) قرآن نے جن مواقع میں استعمال کیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے (۵) گناہوں سے بچنا (۶) تقویٰ کے معنی ہیں ایسا خوف جس کے سبب عمل کرے۔

’’بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو‘‘ میں ضرورت عمل کا بیان ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں اکرمیت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے جو کہ خوف مقرون بالعمل ہے اور اکرمیت عند اللہ ہر شخص کو مطلوب ہے (۱) تو تقویٰ کا اختیار کرنا ضروری ہوا جو مستلزم ہے عمل (۲) کو اور دوسری آیت: ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ ’’بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں‘‘ میں علم کی ضرورت کا بیان ہے اس طرح کہ خشیت کو مطلوب فرمایا اور وہ مستلزم ہے علم کو پس ان دونوں جزوں سے علم وعمل کی ضرورت ظاہر ہوگئی۔

علم وعمل کی کمی

اور اس مضمون کے اختیار کی یہ وجہ ہے کہ اس کی ضرورت گو عام ہے مگر اس مقام پر اور زیادہ ہے یعنی یوں تو ہر جگہ آج کل علم وعمل کی کمی ہے اور یہ مقام بھی اسی عموم میں داخل ہے لیکن یہاں کچھ زیادہ کمی ہے کیونکہ مجھے یہاں کی حالت اچھی طرح معلوم ہے جس محلّہ میں اس وقت بیان ہورہا ہے میں سالہا سال سے یہاں رہ چکا ہوں دوسرے اب بھی میں کچھ زیادہ دور نہیں رہتا ہوں حالات سے اب بھی اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ جن کا حاصل یہی ہے کہ دینی لحاظ سے اس محلّہ کی حالت نہایت خراب ہے علم کی طرف یہاں کے باشندوں کو بہت ہی کم توجہ ہے اسی وجہ سے اعمال میں بھی بہت کوتاہی ہے حالانکہ اس محلّہ میں زیادہ تر لوگ رہتے ہیں جو مدعی شرافت ہیں اور وہ واقعی نسباً شریف ہیں بھی اور شرافت نسب فی نفسہ صفت بھی عمدہ ہے مگر شرف نسب پر قناعت کر لینا اور اس پر فخر کرنا اور اصل شرف کو چھوڑ دینا یہ نہایت غلطی ہے۔

(۱) ہر شخص اللہ کے روبرو معزز ہونا چاہتا ہے (۲) جس سے عمل کرنا لازم آتا ہے۔

اصل شرف

اب میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اصل شرف کیا چیز ہے اور شرافت نسب کی حقیقت کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ (۱) ''اے لوگو! ہم نے (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں تو سب برابر ہیں) اور (جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنائے (سو محض اس لئے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو جس میں یہ شناخت بھی داخل ہے کہ کون ہمارا عصبہ اور کون ذوالارحام ہے (۲) اور کون ہم سے دور ہے تا کہ بقدر قرب و بعد نسب (۳) کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جائیں اور میراث میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے اور اس کے سوا اور بھی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو (۴) یہاں حق تعالیٰ نے مختلف خاندانوں اور قوموں کے بنانے میں یہ حکمت بتلائی ہے کہ اس سے تعارف اور شناخت ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے کا پتہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ قریش ہے یہ انصاری ہے یہ صدیقی ہے یہ فاروقی ہے۔ اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو امتیاز سخت دشوار ہوتا کیونکہ ناموں میں اکثر توارد (۵) ہوتا ہے ایک ہی نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں تو کسی قدر امتیاز تو جائے سکونت سے ہوجاتا ہے کہ ایک دہلوی ہے ایک لکھنوی ہے پھر ایک شہر میں بھی ایک نام کے بہت سے ہوتے ہیں تو محلوں کے

(۱) سورۃ الحجرات: ۱۳ (۲) کون باپ کی طرف سے رشتہ دار ہے اور کون ماں کی طرف سے (۳) کون قریبی رشتہ دار ہے اور کون نسبی طور پر دور کا رشتہ دار ہے (۴) فخر کرکے اتراؤ (۵) نام اکثر ایک جیسے ہوتے ہیں۔

نام سے امتیاز ہوجاتا ہے کہ ایک محلت کا رہنے والا ہے اور ایک محلّہ خیل کا پھر وہاں بھی ایک نام کے دو تین ہوتے ہیں تو قبائل کی طرف نسبت سے امتیاز ہوجاتا ہے یہ حکمت ہے اختلاف قبائل کی مگر آج کل ہمارے بھائیوں نے اسی کو مدار فخر بنالیا ہے اب یہاں دو قسم کے لوگ ہوگئے ہیں بعض نے تو نسب وشرف کی جڑ ہی اکھاڑ دی ان کو اس سے شبہ ہوا کہ اس آیت میں اختلاف قبائل کی حکمت صرف تعارف بتلائی گئی ہے اور حکمتوں سے سکوت کیا گیا ہے (۱) تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بس اس میں اور کچھ حکمت نہیں ہے لان السکوت فی موضع البیان بیان (۲) اس پر نظر کرکے بعض نے تو شرافت نسبت کا انکار ہی کردیا کہ اس سے شرف کچھ نہیں ہوتا بلکہ جس طرح دہلوی لکھنوی ہندوستانی بنگالی یہ سب نسبتیں تعارف کے لئے ہیں اور ان سے کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا اسی طرح قریشی انصاری سید اور فاروقی، عثمانی وغیرہ یہ نسبتیں بھی شناخت کے لئے ہیں ان سے بھی کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا۔

اہل شرف کہلانے کے لئے قیاسات بعیدہ

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس شرف عرفی سے محروم ہیں (۳) ان میں سے بعض نے تو اپنے کو شریف ثابت کرنا چاہا ہے چنانچہ ایک قوم نے اپنا عرب ہونا ثابت کیا ہے کہ ہماری اصل راعی ہے چونکہ یہ لوگ جانور پالتے ہیں ان کو راعی کہا گیا پھر غلطی عوام سے لفظی تغیر ہوگیا اسی طرح بعضوں نے اپنے کو حضرت خالد بن ولید کی اولاد میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح وہ عرب بننا چاہتے ہیں مگر اس ترکیب میں تکلف تھا کیونکہ تاریخ سے تو اس کا کچھ ثبوت ملتا نہیں محض قیاسات بعیدہ سے کام لینا پڑتا ہے جس سے ہر شخص کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات

(۱) خاموشی اختیار کی (۲) موقع بیان میں خاموش رہنا بیان ہی سمجھا جاتا ہے (۳) جو لوگ یہ نسبی شرف نہیں رکھتے۔

بنائی ہوئی ہے اس لئے بعض نے اپنے نقص کو یوں دور کرنا چاہا کہ اہل شرف ہی سے اس شرف کی نفی کردی کہ شرافت نسب کوئی چیز نہیں اور اس کے متعلق ان کے کچھ لطیفے بھی ہیں جن کے بیان کردینے کا مضائقہ نہیں۔

چند لطیف حکایات

چنانچہ ایک شخص سے جو چھوٹی قوم کا تھا کسی نے پوچھا کہ تم کس کی اولاد میں ہو کہا میں آدم علیہ السلام کے بھائی کی اولاد میں ہوں لوگوں نے کہا کہ میاں کیا آدم علیہ السلام کے کوئی بھائی بھی تھا کہنے لگا کیا ان کے کوئی بھائی نہیں تھا لوگوں نے کہا ہرگز نہیں کہا کیا پھر سب لوگ آدم علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہیں کہا ہاں، کہنے لگا پھر تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ تو کس کی اولاد میں ہے جس کی اولاد میں تم ہو اسی کی اولاد میں سے میں بھی ہوں لوگ اس پر چپ ہو گئے۔

اسی طرح ایک بھنگی کی حکایت ہے کہ وہ کہیں ندی میں ڈوبنے لگا تو اول تو یوں چلایا کہ ارے اللہ کے واسطے مجھے بچاؤ جب اس کہنے پر کوئی نہ آیا تو اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ ارے دوڑو جلدی آؤ نبی زادہ ڈوبا جاتا ہے یہ سن کر لوگ دوڑے اور جلدی سے آکر اسے بچایا اب جو نکال کر دیکھا تو بھنگی، اس سے پوچھا کہ نالائق تو نبی زادہ کدھر سے ہوا کہنے لگا کہ میں بھی آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہوں اور وہ نبی تھے تو میں نبی زادہ ہوا غرض اس قسم کے لطیفے ان قوموں کے بہت ہیں جو مختلف ترکیبوں سے اپنے کو اہل شرف کے برابر کرنا چاہتے ہیں بعض نے اس نفی میں حضرت علیؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے۔

الناس من جهة التمثال اكفاء	ابوهم آدم والام حواء
مالفخر الا لاهل العلم انهم	على الهدى من استهدى ادلاء

’’آدمی صورت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کیونکہ سب کے باپ آدم علیہ السلام اور ماں حواء علیہا السلام ہیں بس اہل علم کے سوا کسی کے لئے فخر نہیں ہے کیونکہ وہی ہدایت پر بھی ہیں اور طالب ہدایت کی طرف رہنمائی ہی کرتے ہیں اس سے بعض وہ حضرات جو نسبی شرف نہیں رکھتے اور علم حاصل کر چکے ہیں اس پر استدلال کرتے ہیں کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں بس شرف اگر ہے تو علم سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی معلوم نہیں کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے یا نہیں پھر جس کا بھی قول ہو مطلب نفی فخر ہے کہ نسب پر فخر نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ امر غیر اختیاری ہے اور فخر عقلاً ان چیزوں پر ہوسکتا ہے جو اختیاری ہوں اور وہ علم وعمل ہے گو شرعاً اس پر بھی فخر کرنا نہ چاہئے۔

شرف نسب کے نعمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں

باقی یہ مطلب نہیں کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں دیکھو آدمی کا حسین یا بدصورت ہونا یا اندھا اور سوانکھا ہونا اگرچہ امر غیر اختیاری ہے اور اس پر فخر نہ کرنا چاہئے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حسن صورت اور سوانکھا (۱) ہونا نعمت بھی نہیں یقیناً اعلی درجہ کی نعمت ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ گو شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں اور بعض لوگوں نے حکایات سے استدلال کیا ہے کہ مثلاً ایک بزرگ مرگئے تھے وہ چھوٹی قوم کے تھے کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو علم وعمل کی وجہ سے وہ بعض اہل شرف سے بھی اعلیٰ درجہ میں تھے یا کسی زمانہ میں کوئی زندہ بزرگ اپنے معاصرین میں بڑے مقتدا اور شیخ مانے جاتے تھے حالانکہ وہ چھوٹی قوم کے تھے مگر حکایات سے اثبات مدعا

(۱) آنکھوں والا ہونا۔

نہیں ہوسکتا حکایات تو توضیح کیلئے ہوتی ہیں اول اثبات مدعی دلیل سے (۱) ہونا چاہئے پھر حکایات سے اس کی توضیح ہونی چاہئے (۲) اور یہاں دلیل سے شرف نسب کی نفی ثابت نہیں ہوئی اس لئے محض حکایات سے استدلال کرنا لغو ہے (۳) ہاں بعض نے اس نص قرآنی سے استدلال کیا ہے کہ بس نسب کا فائدہ محض تعارف ہے اس سے کوئی شرف حاصل نہیں ہوتا مگر اس شخص کو قرآن کی ایک آیت کے ساتھ (دوسری آیتوں کو بھی دیکھنا چاہئے) حق تعالیٰ ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا وَّاِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (۴) اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے ان کی ذریت (۵) میں نبوت اور کتاب منحصر کی گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نوح d کی اولاد میں سے ہیں اور نبوت وکتاب کا حصر بلاواسطہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے ان کی اولاد میں ہوا ہے ان کے واسطہ سے نوح d کی ذریت میں ہوا ہے تو اولاد ابراہیم کو باقی خاندانوں پر یہ خاص شرف حاصل ہے کہ ابراہیم d کے وقت سے قیامت تک نبوت اور کتاب اسی خاندان میں منحصر ہوگئی اور اس میں ہزاروں انبیاء پیدا ہوئے نیز اس کے ساتھ) احادیث کو بھی ملانا چاہیے کیونکہ احادیث بھی اسی زبان سے نکلی ہیں جس سے قرآن ادا ہوا ہے اور اسی قلب پر نازل ہوئی ہیں جس پر قرآن نازل ہوا ہے وہ بھی وحی میں داخل ہیں گو متلو نہ ہوں (۶)۔

فضیلت قریش

تو احادیث میں حضور ﷺ نے قریش کی فضیلت بیان فرمائی ہے انصار

(۱) پہلے دعوے کا ثبوت دلیل سے دیا جائے (۲) وضاحت ہونی چاہیے (۳) بیکار (۴) سورۃ الحدید:۲۶
(۵) اولاد میں (۶) اگرچہ قرآن کریم کی طرح ان کی تلاوت نہ کی جاتی ہو۔

کے فضائل بیان فرماتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے الناس معادن کمعادن الذھب والفضة خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا (مسند احمد ۲:۴۹۸، مستدرک حاکم ۳:۲۴۴۳) کہ جیسے چاندی سونے کی کانیں ہیں اسی طرح آدمیوں کی بھی مختلف کانیں ہیں جن میں بعض سونے کے مشابہ ہیں بعض چاندی کے بعض دوسرے معادن(۱) کے مثل ہیں پھر آپ فرماتے ہیں کہ جو خاندان جاہلیت میں اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ علم حاصل کرلیں بعض نے یہ سمجھا کہ اس میں قید اذا فقھوا اہل انساب کو مضر ہے(۲) کہ اس میں مدار فضل فقہ کو فرمایا مگر کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ حضور ﷺ فقہ کے بعد خیار فی الجاہلیۃ کو خیار فی الاسلام فرمارہے ہیں تو فقہ کے بعد مساوات نہ رہی بلکہ حاصل یہ ہوا کہ فقیہ غیر صاحب نسب فقیہ صاحب نسب کے برابر نہیں بلکہ فقیہ صاحب نسب افضل ہوگا(۳)۔

اہل انساب کی شان متبوعیت

تو کوئی تو بات ہے جس سے وہ خیار ہوئے ہاں یہ ضرور ہے کہ صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے اس کا ہم کو انکار نہیں مگر حدیث سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ شرف نسب بھی کوئی چیز ضرور ہے جس کے ساتھ علم وفقہ مل جائے تو صاحب نسب غیر صاحب نسب سے بہتر ہوگا نیز حدیث میں ہے الائمة من قریش، (مسند احمد ۳:۱۸۳، کنز العمال ۱۴۷۹۲) کوئی تو وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے امامت کو قریش کے ساتھ مخصوص فرمایا، معلوم ہوا کہ اہل انساب میں

(۱) دوسری کانوں کے مشابہ (۲) ذی نصب لوگوں کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں فضیلت کا معیار تفقہ کو قرار دیا ہے (۳) جو فقیہ بھی ہو اور اس کا نسب بھی اعلیٰ ہو وہ افضل ہے۔

شان متبوعیت دوسروں سے زیادہ ہے نیز ایک حدیث میں بطور جز کے حضورﷺ کا یہ قول ثابت ہے(انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب)الصحیح للبخاری:۴،۷،۳۰ مشکوۃ ۴۸۹۵۔''میں نبی ہوں جھوٹا نہیں، میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں'' جب جنگ حنین میں حضرات صحابہ کے پیر اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں نبی ہوں یہ جھوٹ بات نہیں (اس لئے میرا غلبہ یقینی ہے)

صاحب نسب ہونے کی فضیلت

اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یعنی میں خاندانی اور صاحب نسب ہوں میں ہرگز پسپا نہ ہونگا تو اس میں حضورﷺ نے اپنے صاحب نسب ہونے پر فخر کیا ہے اور دشمن کو ڈرایا ہے کہ تم اپنے مقابل کو کم نہ سمجھنا وہ بڑا خاندانی ہے جس کی بہادری سب کو معلوم ہے اگر شرف نسب کوئی چیز نہیں تو آپ ﷺ نے انا ابن عبدالمطلب [۱] کیوں فرمایا نیز ایک حدیث میں ہے(ان اللّٰــه اصطفے من ولد ابراھیم اسمعیل واصطفٰی من ولد اسمعیل بنی کنانة وا صطفٰی قریشا من کنــانة واصـطفٰی من قریش بنی ھاشم واصطفائی من بنی ھاشم)(سنن الترمذی: ۳۶۰۵، کنزالعمال :۳۱۹۸۴) یعنی حق تعالیٰ نے ابراہیم d کی اولاد میں سے اسماعیل d کو انتخاب فرمایا (اس سے عرب کی فضیلت عجم پر ثابت ہوئی کیونکہ اسماعیل d ابوالعرب ہیں اور ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے اختــار اللّٰه العرب من بین الانام [۲] اور اسماعیل d کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم

(۱) میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں (۲) اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں میں سے عرب کو منتخب فرمایا۔

میں سے مجھ کو منتخب کیا اور ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں: (ان اللّٰــه خلـق الخلق فـجـعـلـنـی فی خیرھم (ای الانس) ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فـرقة (ای الـعرب) ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلة (ای قریش) ثـم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا (ای بنی ھاشم) فانا خیرھم نفسا وخیـرھـم بیتا)[۱] (سنن الترمذی، ۳۵۳۲، مسند احمد ۱:۲۰۱) اس نص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسب مطلق کرم سے خالی نہیں گو اکرم ہونے کو مستلزم نہ ہو[۲] کیونکہ اکرمیۃ کا مدار تو تقویٰ ہے ان اکـرمکم عنداللّٰہ اتقٰکم مگر اس کرم بالنسب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے کرم کو نسب ہی میں منحصر کر دیا جائے جیسا کہ اہل قصبات کی عادت ہے یہ دوسری جماعت ہے جس نے نسب کے بارہ میں افراط وغلو کیا ہے[۳] جیسا کہ پہلی جماعت نے تفریط کی تھی۔

اہل عرب کی عادت

اہل قصبات نے فخر بالانساب[۴] ہی پر قناعت کر لی ہے اصل میں یہ اہل عرب کی عادات میں سے ہے ان کو اپنے انساب پر بڑا فخر تھا چنانچہ ان کے اشعار اس سے بھرے پڑے ہیں وہی اثر ہندوستان کے ان قبائل میں اب تک موجود ہے جو نسل عرب سے یہاں پر ہیں اور قصبات میں تو یہ غضب ہے کہ عورتوں کے کھوٹ کی وجہ سے بھی خاندانوں پر عیب لگا دیتے ہیں کہ اس کی ماں ایسی ہے اس

(۱) اللہ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ان میں سب سے بہتر لوگوں میں مجھ کو بنایا پھر ان کی دو جماعتیں ہیں اور ان میں سے بہترین جماعت میں سے مجھے رکھا یعنی عرب پھر ان کو قبائل میں تقسیم فرمایا اور مجھے بہترین قبیلے میں بنایا یعنی قریش۔ پھر ان کو خاندانوں میں بانٹا تو مجھے بہترین خاندان بنو ہاشم میں پیدا کیا پس میں بہترین خاندان کا بہترین فرد ہوں (۲) اس سے معلوم ہوا کہ ذی نصب ہونا باعث اکرام تو ہے چاہے سب سے مکرم نہ ہو (۳) زیادتی سے کام لیا جیسے دوسروں نے کمی کی تھی (۴) عالی نسبی پر فخر کرنے پر ہی قناعت کر لی۔

کی دادی ایسی ہے نانی ایسی ہے اس صفت میں یہ اہل عرب سے بھی بڑھ گئے کیونکہ اہل عرب نسب میں عورتوں کی وجہ سے نقص نہیں نکالتے (یہ اور بات ہے کہ نجیب الطرفین کو اکمل سمجھتے ہیں مگر جس کی ماں کم ذات ہو اور باپ شریف ہو اس کو بھی کامل النسب شمار کرتے ہیں ناقص نہیں سمجھتے ۱۲۔

شریعت میں ماں کے نسب کا اعتبار نہیں

مگر خدا تعالیٰ نے ماں کے نسب میں اعتبار کرنے کی ایسی جڑ اکھاڑی ہے کہ ان کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم d کی دو بیبیاں تھیں ایک حضرت سارہ تو ان کے خاندان کی تھیں دوسری حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسماعیل d ہیں جو ابوالعرب ہیں(۱) وہ کنیز تھیں تو جو عورت سارے عرب کی جو اصل ہے وہ کنیز ہیں اب جو قبائل عرب ہندوستان میں عورتوں کے کھوٹ کی وجہ سے دوسرے خاندانوں میں عیب نکالتے ہیں وہ اس دھبہ کو دھوئیں کس طرح دھوتے ہیں مگر درحقیقت یہ کوئی عیب ہی نہیں اسی لئے شریعت نے نسب میں ماں کا اعتبار نہیں کیا۔

سیادت کی بناء اولاد حضرت فاطمہ k پر ہے

البتہ اولاد فاطمہ میں ماں کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ k پر ہے اور سیدوں کا شرف دوسرے قبائل پر انہی کی وجہ سے ہے اور یہاں سے بعض علویوں کی غلطی واضح ہوگئی کہ وہ بھی اپنے کو سید کہتے ہیں حالانکہ سیادت کی بناء (۲) حضرت علی پر نہیں ہے بلکہ حضرت فاطمہ پر ہے پس حضرت علی کی جو اولاد حضرت فاطمہ سے ہے وہ تو سید ہے اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید

(۱) پورے عرب کے باپ ہیں (۲) سید ہونے کا مدار۔

نہیں ہے اب ایک سوال یہاں ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ایک شخص کا باپ سید نہ ہو اور ماں سید ہو تو وہ سید ہے یا نہیں تو قواعد کے موافق یہ شخص سید نہیں ہے ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اس کو ضرور حاصل ہے مگر یہ اپنے کو سید نہیں کہہ سکتا اور اس کے لئے زکوۃ لینا بھی جائز ہے اگر صاحب نصاب نہ ہو بہر حال ماں کا نسب میں اعتبار نہیں البتہ حریت ورق میں اولاد شرعاً ماں کی قائم ہوتی ہے(۱) اور اس سے ایک اشکال کا بھی جواب ہو گیا وہ یہ کہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ من عمل کذا فله اجر من اعتق اربعة من ولد اسمعیل ''جس شخص نے ایسا عمل کیا اسے حضرت اسماعیل d میں سے چالیس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا'' کا عتاق ہی متصور نہ ہوگا(۲) تو پھر حدیث میں اعتقاق ولد اسماعیل کا کیا مطلب ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ بطور فرض کے ہے کہ اگر اہل عرب کا استرقاق جائز(۳) ہوتا تو ان کا اعتقاق سب سے افضل ہوتا اس کا ثواب اس عمل سے ملے گا مگر جواب صحیح اور بے تکلف اس قاعدہ مذکورہ سے حاصل ہو گیا وہ یہ کہ کسی عربی نے عجمیہ رقیقہ(۴) سے نکاح کیا تو اولاد نسب میں تو باپ کے تابع ہو کر ولد اسماعیل ہوگئی اور ان میں ماں کے تابع ہو کر محل اعتاق ہو سکے گی یہ بیچ میں استطراداً(۵) کلام تھا اصل مقصود یہ تھا کہ نسب کا شرف شرعاً بھی معتبر ہے اور ایک بہت بڑی دولت ونعمت ہے۔

اصل شرف علم وعمل ہے

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں غلو(۶) کیا جائے جیسا کہ قصبات

(۱) البتہ غلام ہونے اور آزاد ہونے میں ماں کا اعتبار ہے (۲) ان کو آزاد کرنے کا تصور ہی نہیں اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام غلام نہیں تھے (۳) اگر اہل عرب کا غلام ہونا بالفرض جائز ہوتا تو ان کو آزاد کرنا سب سے افضل ہوتا (۴) عجمی باندھی سے کسی عرب نے نکاح کر لیا تو نسب میں تو اولاد اسماعیل ہوئی اور ماں کی غلامی کی وجہ سے غلام بھی ہوئی (۵) یہ بات ضمناً آ گئی (۶) حد سے تجاوز کیا جائے۔

میں رواج ہے افسوس یہ لوگ ہڈی بوٹی کو لے کر بیٹھ گئے اور جو اس سے بڑھ کر شرف تھا اس کو چھوڑ بیٹھے اور وہ اصل شرف علم و عمل ہے افسوس شرفاء کو اس کا بالکل خیال نہیں علم دین کی طرف ان کو مطلق توجہ نہیں اور اس محلّہ میں تو خصوصاً اس سے بہت ہی غفلت ہے بچے ہیں کہ آوارہ پھرتے ہیں اور بڑے ہیں کہ وہ بھی دین سے ناواقف ہیں کسی نے بہت کیا انگریزی پڑھ لی مگر انگریزی کوئی علم نہیں ہے اس کو دین سے کیا تعلق بلکہ اس کو پڑھ کر تو اکثر دین سے بے تعلقی ہو جاتی ہے اس لئے شرفا کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو علم دین پڑھانا کا ضرور اہتمام کریں اور میں انگریزی سے منع نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ اس سے پہلے علم دین پڑھنا چاہئے، چاہے اردو رسائل ہی میں ہو اور بڑوں کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے شاید وہ اس پر یہ کہیں گے کہ بڈھے طوطے اب کیا پڑھیں گے مگر میں کہتا ہوں کہ بڈھے طوطے اگر پڑھ نہیں سکتے مگر دوسروں سے تو سن سکتے ہیں میں آپ سے پڑھنے کو نہیں کہتا بلکہ آپ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مسائل کی کتاب سن لیا کریں۔

طوطے کی حرص

طوطے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ہمارے گھر میں ایک طوطا ہے وہ کسی کی بات پر نہیں بولتا اس کو لاکھ پڑھاؤ مگر کچھ نہیں کہتا لیکن جہاں کوئی لڑکی کتاب پڑھنے بیٹھی تو وہ طوطا بھی ساتھ میں ٹرٹر لگاتا ہے اور اتنا بولتا ہے کہ پڑھنا دشوار کر دیتا ہے تو دیکھئے وہ طوطا بھی کتاب سن کر پڑھنے کی حرص کرتا ہے جب علم کا حیوان[۱] پر یہ اثر ہے تو انسان پر کیوں اثر نہ ہوگا۔

(۱) جانور۔

پڑھنا پڑھانا صرف درس ہی پر موقوف نہیں

صاحبو! پڑھنا پڑھانا اور عالم ہونا درس ہی پر موقوف نہیں حضرات سلف (۱) تو سن سن کر ہی عالم ہوگئے تھے یہ درس و تدریس کا طریقہ تو ان کے بعد ہی کے زمانہ سے شروع ہوا ہے ورنہ پہلے تو محض دو چار عالم کتاب ہوتے تھے اور ان کی صحبت میں رہ کر مسئلے مسائل سن کر بہت سے بدوں (۲) پڑھے ہی عالم بن جاتے تھے اور حضرات صحابہ و تابعین تو محض سننے ہی سے عالم ہوئے ہیں وہاں کتاب کھول کر پڑھنے کا رواج ہی نہ تھا بس صحابہ j تو حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے اور حضور ﷺ کی باتیں سن سن کر سب عالم ہوجاتے تھے پھر حضرات صحابہ j کی باتیں سن سن کر تابعین عالم ہوگئے اور ہمارے حضور تو اس پر فخر فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں لکھنا پڑھنا نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہے: نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب (مسند احمد ۲:۱۲۲) ''ہم امی امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کتاب''۔

ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب

چنانچہ حضرات صحابہ میں کاتبان وحی معدودے (۳) چند تھے ورنہ اکثر صحابہ لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ حساب بھی زیادہ نہ آتا تھا مگر وہ ایسے امی تھے کہ بڑے بڑے ارسطو اور افلاطون ان کے علوم کو سن کر منہ تکتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی صحبت کا اثر

حضرات صحابہ نے ہرقل اور مقوقس کے دربار میں جو حکیمانہ کلام کیا ہے

(۱) ہمارے اکابرین (۲) بغیر پڑھے (۳) گنتی کے چند افراد تھے۔

اس کو سن کر سلاطین بھی حیرت میں رہ جاتے تھے کہ ان پڑھ لوگوں کے یہ علوم ہیں یہ محض حضور کی صحبت کا اثر تھا حضور ﷺ کی یہ شان تھی۔

نگار من کہ بمکتب نرفت ودرس نکرد بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد(۱)

اس لئے پڑھ نہ سکنے کا عذر تو فضول ہے آپ سن سن کر ہی علم حاصل کر لیجئے اور اگر آج بڈھوں کو گورنمنٹ کی طرف سے قانون یاد کرنے کا حکم ہوجائے تو اس وقت یہ بوڑھے طوطے سب جوانوں کی طرح قانون یاد کرنے لگیں گے یہ بہانہ محض دین کے کاموں میں ہے دنیا کے کاموں میں بوڑھے بھی جوان ہوجاتے ہیں۔ غرض علم جس طرح سے بھی ہو حاصل کرنا ضروری ہے۔ بدون علم کے ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ بعض لوگ عمر بھر نماز غلط ہی پڑھتے رہتے ہیں۔

مسائل نماز سے بے خبری

چنانچہ ایک قریب کے قصبہ کے ایک بوڑھے میاں جو مہذب اور لکھے پڑھے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس طرح فرضوں میں دو رکعتیں بھری ہوتی ہیں اور دو خالی (۲) کیا سنتوں میں بھی یہی حکم ہے میں نے کہا نہیں بلکہ سنتوں میں سب رکعتیں بھری ہوتی ہیں (۳) تو وہ بڑے میاں یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو اب تک سنتیں بھی دو بھری اور دو خالی پڑھتے تھے یہ تو آج ہی معلوم ہوا کہ سنتوں میں کوئی رکعت خالی نہیں ہوتی۔ اب بتلایئے کہ بڑے میاں کے پیر تو قبر میں لٹکے ہوئے ہیں اور اب

(۱) میرا محبوب نہ مکتب گیا ہے نہ اس نے وہاں پڑھا ہے اس نے تو اپنی اداؤں سے وہ سکھایا جس سے سینکڑوں مدرس پیدا ہوئے (۲) فرض کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت ملائی جاتی ہے تو کیا سنتوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے (۳) بلکہ سنتوں کی سب رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت بھی ملائی جاتی ہے۔

تک نماز کا طریقہ معلوم نہیں یہ ساری خرابی علم نہ ہونے کی ہے اسی طرح بعض صورتوں میں کسی غلطی سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور کسی غلطی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر بدوں (۱) علم کے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑ بڑ کرتے ہیں بس بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں احکام الٰہیہ کی وقعت نہیں رہی اس لئے کچھ فکر نہیں کہ نماز درست ہورہی ہے یا فاسد اور اگر درست بھی ہوتی ہو تو اس بے علمی کے سبب بہت لوگوں کو جماعت کا اہتمام نہیں وقت کا خیال نہیں بعضے بہت تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں افسوس اگر عدالت میں ایک چپڑاسی آواز دے کر فلانا حاضر ہے تو اس کی کوشش کیجاتی ہے کہ پکارنے کے بعد حاضری میں دو منٹ کی بھی دیر نہ ہو گھنٹہ بھر پہلے سے تیار بیٹھے رہتے ہیں اور یہاں پانچ وقت منادی پکارتا ہے اور کان پر جوں تک نہیں رینگتی (۲) بلکہ اذان کے بعد اقامت بھی ہونے لگے اور امام کی آواز اور سورت کا شروع ہوجانا بھی سن لیں جب بھی کچھ اثر نہیں ہوتا حی علی الصلوٰۃ سن کر تو کیا اثر ہوتا افسوس ہم حی علی الفلاح سن کر بھی اثر نہیں ہوتا۔

نماز پڑھنے میں فلاح دارین ہے

حق تعالیٰ کی بھی کیا عنایت ہے کہ وہ ہماری حالت سے خوب واقف ہیں جانتے ہیں کہ یہ ایسے بھدے اور ناقدرے ہیں کہ محض حی علی الصلوٰۃ کہنے سے نماز کو نہ آئیں گے اس لئے جس طرح بچوں کو مٹھائی وغیرہ سے لبھایا اور بہلایا کرتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے ہم کو لبھانے کے لئے حی علی الصلوٰۃ کے ساتھ حی علی الفلاح بھی اذان میں بڑھادیا کہ نماز میں فلاح وکامیابی بھی ہے اسی کے لئے آجاؤ کیونکہ اس جگہ فلاح مطلق ہے جس میں فلاح دنیوی واخروی دونوں داخل ہیں۔

(۱) علم نہ ہونے کی وجہ سے (۲) پانچ وقت آذان کے ذریعہ ہمیں بلایا جاتا ہے اور ہم ذرا متوجہ نہیں ہوتے۔

آج کل روپیہ ملنے کا نام سب کچھ ہے

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم تو روز نماز پڑھتے ہیں مگر ہمیں تو کچھ بھی نہیں ملتا چنانچہ ایک تھانے دار نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ تو جو نماز پڑھتی ہے تجھے کیا ملتا ہے تو بات یہ ہے کہ آج کل روپیہ ملنے کا نام ملنا ہے اگر نماز پڑھ کر روپے مل جایا کرتے تب ان کے نزدیک یوں کہنا صحیح ہوتا کہ کچھ ملا ہے جیسے ایک پیشکار اشراق تک وظیفہ پڑھا کرتے تھے انہوں نے کسی پیر سے وظیفہ پوچھ رکھا تھا صبح کی نماز کے بعد اشراق تک وہ پڑھا جاتا تھا اور یہی وقت رشوت کے معاملات طے کرنے کا تھا اہل معاملہ آتے اور اشاروں سے رشوت طے ہوتی کیونکہ وظیفہ میں بولنے کو منع سمجھتے تھے بس صاحب معاملہ نے ایک انگلی اٹھادی کہ ایک سو لے لو اور انہوں نے سر ہلا کر دو انگلیاں اٹھادیں کہ دو سو لوں گا پھر اشاروں ہی سے بات طے ہوگئی رقم حاضر ہوگئی اور پیشکار صاحب نے مصلے کا کونہ اٹھادیا اس نے رقم رکھ دی یہ پھر وظیفہ میں مشغول ہوگئے اب دوسرا آتا اس سے بھی اسی طرح اشاروں میں بات چیت ہوتی اور جب اسکی رقم پر صلح ہوجاتی یہ جائے نماز کا کونہ اٹھادیتے وہ رقم رکھ دیتا غرض یہ بزرگ جب اشراق کی نماز سے فارغ ہوتے تو گھر میں دو چار سو روپے لے کر جاتے تھے تو ملنا آج کل اس کو کہتے ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو جنت ملے گی یا خدا راضی ہوگا تو اس کو کچھ ملنا ہی نہیں سمجھتے چنانچہ سودا (۱) نے اپنی بیوی سے پوچھا تھا کہ تو تہجد کیوں پڑھا کرتی ہے کہا ہم جنت میں جائیں گے تو وہ مسخرہ کہتا ہے کہ جا پاگل تو وہاں بھی ملانوں طالب علموں ہی کے ساتھ رہے گی (کیونکہ جنت والے اکثر غرباء ہی ہوں گے) اور دیکھ ہم جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے

(۱) ایک شاعر تھا۔

سلاطین اور امراء ورؤسا فرعون ،نمرود وشداد وقارون اور ابوجہل جیسے ہوں گے تو آج کل فلاح روپئے ملنے کو کہتے ہیں اگر کسی نیک کام میں روپیہ ملتا ہو تو اس کو ہر شخص بڑے شوق سے کرتا ہے اور جس میں یہ نہ ہو اس کی کچھ وقعت نہیں۔

احمقوں کی مزاحیہ حکایات

ایک جاہل نے کسی واعظ کو وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کی راہ میں جو ایک روپیہ دے اسے دس تو ضرور ملتے ہیں اور بعض کو زیادہ بھی ملتے ہیں سات سو تک۔اس شخص نے سوچا کہ میں غریب آدمی ہوں مجھے کسی حیلہ کی ضرورت بھی ہے لاؤ یہی تجارت شروع کریں اس سے اچھی تجارت کیا ہوگی اس کے پاس ایک روپیہ تھا اس نے وہی خیرات کر دیا اب دس کے منتظر بیٹھے ہیں جب کئی روز تک دس نہ آئے تو میاں کو دست آنے لگے[(۱)] کہ افسوس میں نے اپنا روپیہ بھی کھویا کیونکہ اس نے ثواب کے لئے تھوڑا ہی دیا تھا محض تجارت کے لئے دیا تھا اتفاق سے ایک دن یہ کسی کھیت میں قضاء حاجت[(۲)] کے لئے جو بیٹھا اور استنجا کے لئے ڈھیلہ اٹھانے لگا ایک ڈھیلہ کے نیچے ایک بٹوہ پڑا ملا جس میں پورے دس روپے تھے بڑا خوش ہوا کہ مولوی نے سچ کہا تھا دوڑا ہوا مولوی صاحب کے پاس آیا اور کہا آپ نے جو وعظ میں کہا تھا کہ اللہ کے لئے ایک دینے سے دس ملتے ہیں یہ بالکل درست ہے مگر مروڑے بڑے غضب کے ہیں آپ نے اس کو چھپالیا[(۳)] اب سے اس مضمون کے ساتھ اتنا اور کہہ دیا کرو کہ دس ملنے سے پہلے دست بھی آتے ہیں اور مروڑے بھی لگتے ہیں پھر جس کی ہمت ہوگی وہ دے گا ورنہ نہیں دے گا۔

---

(۱) موشن لگ گئے (۲) پاخانہ کرنے کے لئے بیٹھا (۳) مگر پیٹ میں مروڑ ہوکر درد بہت ہوتا ہے تم نے یہ بات چھپالی۔

دوسری حکایت

اسی طرح ایک اور احمق کی حکایت ہے اس نے کسی مولوی صاحب سے توکل کا وعظ سنا تھا کہ جتنا جس کے مقدر میں ہے وہ ضرور مل کر رہتا ہے بس آپ نے یہ سن کر سب کام چھوڑ دیئے اور جنگل میں جا کر بیٹھ رہے مگر بیٹھا ایسی جگہ کنویں کے پاس جہاں راستہ چلنے والے ٹھہرتے تھے اب لوگ آتے اور کنویں پر ٹھہر کر سڑک کی طرف منہ کر کے جس میں اس کی طرف پشت ہوتی تھی کھانا کھا کر چل دیتے ایک دن گزرا دوسرا دن گزرا پھر ایک مسافر آیا اس نے بھی اس کی طرف پیٹھ کر کے کھایا اور چلنے کو ہوا اب تو یہ بالکل مایوس ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ مولوی صاحب نے کیسا غلط مضمون بیان کیا تیسرا دن بھی گزر گیا اور اس کا بھوک سے برا حال ہو گیا۔ آخر آپ نے کھنکارنا شروع کیا اوہ اوہ، مسافر نے مڑ کر دیکھا تو ایک آدمی نظر آیا جس کا بھوک سے برا حال ہے اس کو رحم آیا اور جو کچھ بچا ہوا کھانا تھا وہ دیدیا کھانا کھا کر کچھ جان آئی تو آپ بھی مولوی صاحب کے پاس دوڑے ہوئے آئے کہ مولوی جی توکل کا مضمون تو درست ہے مگر کھنکارنے کی بھی ضرورت ہے تمہارے بیان میں اتنی کسر تھی آئندہ اس کو بھی ظاہر کر دیا کرو۔ اگر میں نہ کھنکارتا تو جان سے ہی گیا ہوتا۔

فلاح کی حقیقت

غرض بعض لوگ مال ملنے ہی کو فلاح سمجھتے ہیں اور نماز پڑھ کر چونکہ فوراً مصلّے کے نیچے سے روپۓ نہیں نکلتے اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ نماز میں کیا فلاح ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کیا مال خود مقصود بالذات ہے بھلا اگر ایک شخص کے

پاس ہزار روپے کا نوٹ ہوں یا نقدی ہو اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں کوسوں (۱) تک نہ کھانا ہے نہ پانی ہے اور اس وقت اس کو بھوک پیاس لگی تو بتلائیے یہ ہزار روپے اس کے کس کام کے اب اگر وہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دے تو کیا آپ اس کو مفلح اور کامیاب کہیں گے ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ مال خود فلاح نہیں اب شاید آپ یہ کہیں کہ کھانا پینا تو فلاح ہے ہم اس کے طالب ہیں سو یہ بھی غلط ہے کھانا پینا بھی مقصود بالذات نہیں کیونکہ بعض دفعہ کھانا کھا کر ہیضہ ہو جاتا ہے اس وقت یہی کھانا سبب ہلاکت ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ مقصود اور کچھ ہے وہ کیا ہے۔ چین وآرام، جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ فلاح کی حقیقت راحت ہے تو اب دعوے سے کہا جاتا ہے کہ نماز سے یہ فلاح ضرور حاصل ہوتی ہے نماز سے قلب کو وہ راحت ملتی ہے جو ہزار کھانوں سے بھی نہیں مل سکتی مگر جیسے بعض دواؤں کا نفع ایک خاص میعاد پر ہوا کرتا ہے چنانچہ اطباء کہا کرتے ہیں کہ اس دوا کو تین دن یا تین ماہ استعمال کر کے پھر آنا اس مدت سے پہلے نفع ظاہر نہ ہوگا اگر چھ ماہ کا اندھا کسی قیمتی سرمہ کو دو تین دن لگا کر سوانکھا ہونا چاہے (۲) تو وہ بے وقوف ہے اسے چاہئے کہ کم از کم تین ماہ تو استعمال کر کے دیکھے اسی طرح نماز کی راحت کا احساس ایک خاص میعاد کے بعد ہوتا ہے جو ہر شخص کے لئے اس کے مناسب ہوتی ہے پس یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ چار دن نماز پڑھ کر مراقبہ کرنے بیٹھ گئے کہ دیکھو راحت قلب حاصل ہوئی یا نہیں صاحب کسی جاننے والے طبیب روحانی سے پوچھ کر نماز کو قاعدہ سے شروع کرو اور کچھ عرصہ تک ادا کرتے رہو پھر دیکھو کیا حال ہوتا ہے ان شاء اللہ چند ہی روز میں یہ حالت مشاہد ہوگی۔

---

(۱) میلوں تک (۲) بینائی کا طالب ہو۔

سلطان اللیل

جس کو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (فتح الباری ۱۱: ۳۴۹، کنز العمال: ۱۸۹۱۲) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ جو شخص نماز کا عادی ہے وہ جانتا ہے کہ نماز پڑھ کر کیا راحت ہوتی ہے مشہور ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر آدمی سلطان اللیل (رات کا بادشاہ) ہوجاتا ہے۔ واقعی سلاطین کو کیا راحت نصیب ہوگی جو نمازی کو عشاء کی نماز پڑھ کر حاصل ہوتی ہے قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا ادراک ضد کو دیکھ کر کامل ہوتا ہے تو نماز کی راحت کا احساس بھی اس طرح ہوگا کہ کبھی ریل میں نماز پڑھنا دشوار ہوا ہو تو یاد کیجئے اس وقت کیسی پریشانی ہوئی ہوگی اور خدا خدا کر کے کسی اسٹیشن پر آدمیوں کے اترنے سے جگہ ملی ہوگی تو نماز پڑھ کر کیسا چین ملا تھا مگر یہ بات ایک زمانہ تک نماز کی عادت ہونے سے نیز اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ذوقی چیز

اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے نسبت مع اللہ حاصل ہوتی ہے دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لگاؤ ہوجاتا ہے مگر یہ نسبت ذوقی چیز ہے اور اس کے حصول کے لئے بھی ایک میعاد ہے اس کی حقیقت قول (۱) سے نہیں معلوم ہوسکتی محض ذوق سے معلوم ہوتی ہے ظاہر میں بھی تو ایسی بہت چیزیں ہیں جو بدوں ذوق کے معلوم نہیں ہوسکتیں دیکھئے لوگ کہتے ہیں کہ شعر میں مزا آتا ہے مگر کیا کوئی اس مزہ کی حقیقت الفاظ میں بیان کرسکتا ہے ہر گز نہیں ہمارے ایک دوست ہیں ان کو اشعار میں مزا نہیں آتا جب وہ کسی کو شعر سے مزا لیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس پر ہنستے ہیں کہ شعر

(۱) بتانے سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔

بھی کوئی مزہ کی چیز ہے یہ بھی کوئی کھانے پینے کی چیز ہے جواس میں مزا آئے ایک دفعہ الہ آباد میں ایک دوست میرے ساتھ تھے ان کی طبیعت شاعرانہ ہے وہ اپنی اک غزل سنا رہے تھے جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

کیا بیٹھا ہے سینہ پر زانو کو دھرے قاتل
ہاں پھیر بھی دے خنجر کیا دیر لگائی ہے

لوگ تو اس سے مزے لے رہے تھے اور وہ حضرات ان پر ہنس رہے اور فتوے لگا رہے تھے کہ واللہ یہ بالکل جھوٹ ہے ہم نے تو کسی محبوب کو نہیں دیکھا کہ وہ عاشق کے سینہ پر خنجر چلانے کو بیٹھا ہو اب بتلایئے ایسے لوگوں کو الفاظ سے کیونکر سمجھایا جائے کہ شعر میں یہ مزا ہے کیونکہ یہ محض ذوقی چیز ہے جس کو یہ ذوق حاصل نہیں وہ اس کے لطف کو نہیں سمجھ سکتا۔

عنین طریق

یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ نے صوفیہ کے حال وقال ووجد کو (۱) دماغ کی خرابی پر محمول کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ سے محبت نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ غائب ہیں اور غائب کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی اور حیرت ہے کہ بعض متکلمین بھی حق تعالیٰ کے ساتھ حب عقلی کے تو قائل ہیں مگر حب طبعی کا انکار کرتے ہیں افسوس عشاق تو محبت میں مرے کھپے جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ محبت حق تعالیٰ سے ہو ہی نہیں سکتی وہ تو جان دینے کو تیار ہیں اور بہت سے تڑپ تڑپ کر مر بھی گئے اور یہ ان کو دیوانہ کہتے ہیں یہ لوگ عنین طریق ہیں (۲) ان کو عشق کا چرکہ نہیں (۳) لگا اس لئے اس کی حقیقت کے منکر ہیں کیونکہ

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

(۱) صوفیاء کے حال اوران کی باتوں اور وجد کی کیفیت کو (۲) طریقت کی راہ کے نامرد ہیں (۳) عشق کا زخم۔

''ذوق اس شراب کی حقیقت نہیں جان سکتے جب تک اسے چکھ کر نہ دیکھو''

اصل زندگی تو دراصل اہل اللہ کی ہے

حضرات! یہ لوگ جن کو دیوانہ کہا جاتا ہے ایسے عاقل ہیں کہ ان کے ملفوظات اور حکیمانہ اقوال کے سامنے ارسطو بھی طفل مکتب ہے تو کیا ایسے عاقلانہ اقوال دیوانوں سے صادر ہوا کرتے ہیں مگر چونکہ اس محبت نے ان سے سلطنتیں چھڑا دیں جب انہوں نے سلطنت کو مخل تعلق حق دیکھا تو لات مار کر الگ ہو گئے (۱) ان کا مذاق یہ ہے کہ ؎

عشق بامردہ نباشد پائدار عشق راباحی و باقیوم دار (۲)

اور

عاشقی بامرد گان پابندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست (۳)

وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں کرنا چاہتے دنیا اور اس کے لذائذ ان کی نظر میں خاک کے برابر بھی نہیں رہے اس لئے اہل دنیا کی نظر میں وہ دیوانے شمار ہونے لگے مگر وہ ایسے دیوانے ہیں کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد (۴)

مگر میں سچ کہتا ہوں کہ زندگی انہیں کی زندگی ہے واللہ ان کو کھانے پینے میں وہ مزہ آتا ہے کہ آپ کو اور ہم کو نہیں آتا کیونکہ ان کو کھانے پینے کے وقت میں یہ مستحضر ہوتا ہے کہ یہ سب نعمتیں محبوب کی طرف سے ہیں اور محبوب کے ہاتھ سے اگر گلا ہوا امرود بھی ملے تو وہ آلہ آباد کے شاداب امرود سے افضل ہوتا ہے بلکہ محبت

(۱) جب انہوں نے نے یہ محسوس کیا کہ بادشاہت کے کام حق تعالیٰ سے تعلق میں خلل ڈال رہے ہیں (۲) عشق کسی مرنے والے کے ساتھ پائیدار نہیں ہوسکتا اس لئے حی وقیوم ذات یعنی اللہ سے عشق کرو (۳) مرنے والوں کے ساتھ عاشقی کا برتاؤ مناسب نہیں جو آج میرے روبرو مردہ ہے وہ آئندہ کس کام کا (۴) وہ ایسا دیوانہ ہے کہ اسکو دیوانہ نہیں کہہ سکتے۔

کی تو اس سے بھی بڑھ کر عجیب حالت ہے کہ عاشق کو محبوب کی ایذا میں بھی مزا آتا ہے اسی لئے اہل اللہ کو جان دینے میں بھی مزا آتا ہے کیونکہ عاشق کو محبوب کے ہاتھ سے دھول کھانے میں بھی لطف محسوس ہوتا ہے حضرت عراقی فرماتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (۱)

اہل محبت کے احوال

حضرت زلیخا نے جب زنان مصر کے سامنے یوسف d کو بلایا تو انہوں نے بدحواس ہوکر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ایذا کا مطلق احساس نہ ہوا اور ہمارے حضور ﷺ کی محبت میں صحابہ j کی یہ حالت ہوئی جس کو حضرت عائشہ k فرماتی ہیں۔

لواحی زلیخا لورأین جبینہ　　لاثرن بالقطع القلوب علی الید (۲)

واقعی ہزاروں مردوں نے اپنے دل کاٹ دیئے غزوات میں حضور ﷺ کے قدموں میں جانیں دیدیں اور عورتوں کی یہ حالت تھی کہ جب حضور ﷺ غزوات سے واپس ہوتے تو عورتیں سڑکوں پر کھڑی ہوجاتیں اور آنے والوں سے اول حضور ﷺ کی خیریت پوچھتی تھیں ایک دفعہ کسی غزوہ میں ایک عورت کا باپ اور خاوند اور بیٹا اور بھائی غرض سارا کنبہ شہید ہوگیا تو حضرات صحابہ نے اس کی تعزیت کی کہ تمہارے فلاں فلاں عزیز شہید ہوگئے۔ تو وہ پوچھتی ہے کہ یہ بتلاؤ حضور ﷺ کیسے ہیں صحابہ j نے کہا حضور تو مع الخیر واپس تشریف لارہے ہیں تو وہ فرماتی ہیں

(۱) دشمن کو یہ سعادت حاصل نہ ہو کہ تیری تلوار سے مارا جائے دوستوں کا سر حاضر ہے تو اس پر خنجر آزمائی کرے

(۲) زلیخا کی ساتھی عورتیں اگر حضور ﷺ کا چہرہ انور دیکھ لیتیں اپنے دل چیر لیتیں۔

کہ بس حضور ﷺ سلامت چاہئیں آپ کے اوپر ہزار ماں باپ اور اولاد فدا ہیں۔

فدی لرسول الله امی وخالتی وعمی و آبائی ونفسی ومالیا (۱)

تو حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ j کو یہ تعلق تھا کہ عورتیں اور مرد اور بچے سب کے قلوب پارہ پارہ ہوگئے تھے غرض محبت کے ساتھ مصائب بھی شیریں ہوجاتی ہیں۔

از محبت تلخہا شیریں بود (۲)

چنانچہ ان صحابیہ کو حضور ﷺ کی سلامتی کی اس درجہ مسرت تھی کہ اپنے سارے کنبہ کا مرنا بھول گئیں جب تلخیاں بھی خوشگوار ہوجاتی ہیں تو محبوب کے لذیذ انعامات میں تو عاشق کو کیا کچھ حظ (۳) آئے گا۔ اس لئے اہل اللہ کو جب کھانے پینے کی چیزوں میں یہ امر مشاہد ہوتا ہے کہ یہ محبوب نے ہم کو دی ہیں تو ان کو وہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ اہل دنیا نے اس کا خواب بھی نہیں دیکھا۔

نماز میں ظاہری و باطنی فلاح

پھر ان لوگوں کو بھلا نماز میں تو کیوں حظ (۴) نہ آئے گا جو خاص قرب محبوب اور حاضری دربار کی حالت ہے اس وقت واقعی طور پر ان کو حی علی الفلاح کا ادراک ہوتا ہے کہ نماز عجیب راحت کی چیز ہے یہ تو نماز میں فلاح عاجل باطنی ہے اس کے علاوہ نماز میں ظاہری فلاح عاجل بھی بہت کچھ ہے چنانچہ نماز میں ایک نفع یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کو فضول مخالطت فضول مکالمت (۵) سے ایذا دینا چاہے تو نماز شروع کردو جب تک نماز پڑھتے رہو گے کوئی تمہیں کچھ نہ کہے گا دوسرے اگر تم

(۱) حضور ﷺ پر میرے ماں باپ خالہ ماموں میری جان مال سب قربان ہے (۲) محبت کی وجہ سے کڑوی باتیں بھی اچھی لگتی ہیں (۳) کتنا مزہ آئے گا (۴) مزہ (۵) فضول باتوں اور میل جول سے تکلیف دینا چاہے۔

کسی آنے والے کی تعظیم نہ کرنا چاہو اور تعظیم نہ کرنے میں خطرہ کا اندیشہ ہو تو اس کو آتا ہوا دیکھ کر نماز شروع کر دو اس طرح تعظیم سے بھی بچے رہو گے اور دوسرے کو اپنی بے تعظیمی کا بھی خیال نہ آئے گا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ نماز میں انسان دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا تیسرے اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اس طرح خلوت اختیار کروں کہ گوشہ نشین بھی مشہور نہ ہوں کیونکہ اس شہرت کے بعد پھر خلوت نہیں رہ سکتی لوگ تنگ کرتے اور ہجوم کرنے لگتے ہیں تو اس کی سہل صورت یہ ہے کہ ہر وقت نفل نماز پڑھا کرے ہمارے ایک عزیز بزرگ نے جو مشرب سماع رکھتے تھے اسی طرح خلوت اختیار کی تھی کہ بیٹھک ہی میں عام منظر پر رہتے اور ہر وقت نماز پڑھتے تھے جب کوئی ملنے آیا تو سلام کے بعد دو چار باتیں خیر وعافیت کی پوچھ لیتے اور پھر نماز شروع کر دیتے مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ نہ تو وہ بداخلاق ہی مشہور ہوئے کیونکہ جو کوئی بھی آتا تھا اس سے ضرورت کی قدر مل بھی لیا کرتے تھے اور نہ عزلت گزینی (۱) میں خلل آیا اور نہ خلوت نشین مشہور ہوئے جو عوام کا ہجوم ہوتا ایک برکت نماز کی یہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے سلاطین اور رؤساء کی برابری ہوجاتی ہے ایک انگریز کالج علی گڑھ میں گیا تو وہاں دیکھا کہ رئیسوں کے لڑکے پڑھتے ہیں جن کے ساتھ نوکر اور ملازم بھی ہوتے ہیں مگر خدمت کے وقت تو وہ نوکر دور کھڑے رہتے ہیں آقا کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتے اور نماز کے وقت آقا کے برابر پاس مل کر کھڑے ہوتے ہیں اس نے ان رئیس زادوں سے دریافت کیا کہ نماز میں برابر کھڑے ہونے سے یہ ملازم گستاخ نہیں ہوجاتے انہوں نے کہا کیا مجال ہے جو نماز کے بعد ہماری ذرا بھی برابری کرسکیں اس وقت کا یہی حق ہے کہ سب برابر ہوں اور دوسرے وقت کا دوسرا حکم ہے اس کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اور اس سے

(۱) نہ خلوت وتنہائی میں فرق آیا۔

زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو نوکر نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ نماز میں آقا کے برابر بھی ہوجاتا ہے مگر پھر بھی اس میں انقیاد کی صفت (۱) بڑھ جاتی ہے یعنی وہ آقا کی خدمت اور اس کے حقوق کی بجا آوری بے نمازی نوکر سے زیادہ کرتا ہے واقعی یہ بات مشاہد ہے کہ دیندار آدمی جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے بندوں کے حقوق بھی خوب ادا کرتا ہے۔

نماز میں برابری

اسی برابری پر ایک اور قصہ یاد آیا نواب ٹونک جن کا نام وزیر الدولہ تھا بڑے دیندار تھے ایک دفعہ کسی نماز میں وہ آئے اور کسی غریب مزدور کے پاس کھڑے ہوگئے وہ بے چارا ڈرا کہ کہیں نواب صاحب کو میرا دامن وغیرہ نہ لگ جاوے پھر مصیبت آوے اس لئے وہ ذرا سمٹا کر دب کر کھڑا ہوا جس سے صف میں فرجہ ہوگیا (۲) نواب صاحب صف ملانے کے لئے ادھر کو اور کھسک گئے تو وہ اور ہٹ گیا اب نواب صاحب تو اس سے ملتے ہیں اور وہ الگ ہوتا جاتا ہے خدا خدا کر کے نماز پوری ہوئی تو وہ غریب فوراً ہی بھاگا نواب صاحب نے دعا سے فراغت کر کے فرمایا کہ یہ ہمارے پہلو میں کون شخص کھڑا تھا اس کو حاضر کرو خدم حشم نے اس کو حاضر کیا اب تو وہ سمجھا کہ میری کم بختی آوے گی لوگوں نے کہا ڈرو نہیں کچھ نہیں کہیں گے مگر نواب صاحب کے سامنے دب کر گفتگو نہ کرنا دلیرانہ بات چیت کرنا پھر وہ کچھ نہ کہیں گے چنانچہ نواب صاحب کے سامنے پہنچے انہوں نے فرمایا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی کہ ہم تو صف میں خوب ملنا چاہتے تھے کیونکہ سنت بھی ہے اور تم ہم سے الگ ہوتے تھے کیا نماز میں بھی تم ہم سے ڈرتے تھے اس نے دلیر بن کر جواب دیا کہ نماز میں آپ سے میں کیوں ڈرتا یہ تو خدا کا دربار ہے

(۱) تابعداری کی صفت (۲) صف میں خلاء ہوگیا۔

جس میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کسی ادنی مسلمان پر ترجیح نہیں رکھتا۔ نواب صاحب نے فرمایا پھر کس لئے تم بچتے تھے کہا میں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں آپ کی دنیا مجھ کو نہ لگ جائے یہ سن کر نواب صاحب اس کے بڑے معتقد ہوئے اور حاضرین سے تعریف کی اور رونے لگے اور کہا واقعی اس غریب کی کچھ تنخواہ مقرر کردی۔

نماز کے دنیوی منافع

نماز کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے اطباء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ وافعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے اور افعال بد سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے کہ ایک آدمی نمازی ہو اور ایک بے نمازی تو نمازی کی صحت بے نمازی سے ضرور اچھی ہوگی (مگر دونوں یکساں قوی اور قریب قریب بدن کے لینے چاہئیں) بلکہ ایک حدیث سے جو ابن ماجہ میں ہے تو معلوم ہوتا ہے گو محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے کہ حضور ﷺ نے نماز کے ذریعہ سے بعض امراض کا علاج کیا ہے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ h کے پیٹ میں درد تھا وہ آہ آہ کررہے تھے حضور ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فارسی میں فرمایا: اشکمت درد؟(۱) قال نعم قال قم فصل فزال وجع بطنه (سنن ابن ماجہ: ۳۴۵۸، تفسیر الطبری: ۱-۲۰۵) کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے کہا ہاں فرمایا کھڑے ہوکر نماز پڑھو چنانچہ نماز پڑھتے ہی درد زائل ہوگیا چونکہ یہ مسئلہ احکام میں سے نہیں اس لئے ضعف حدیث اس میں مضر نہیں۔ میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ نماز پڑھنے سے ہمیشہ درد زائل ہوجایا کرے گا ممکن ہے کسی عارض سے اس نفع کا ظہور نہ ہو۔

(۱) ایک روایت میں ہے اشکنبت درد؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے اور یہ بات آپ ﷺ نے بطورِ معجزہ کے فارسی زبان میں فرمائی تھی نیز مکمل روایت اس طرح ہے اشکمت درد؟ قال نعم: قال قم فصل فان فی الصلوٰۃ شفاء (حوالہ بالا)

نماز کا اثر

مگر یہ تو ضرور ہے کہ نماز سے ایک خاص سرور ونشاط اور قلب کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اثر صحت پر بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ہم کو اس کی وجہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ نماز سے راحت وسرور کیوں ہوتا ہے کیونکہ ہر اثر کے لئے کسی علت کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض چیزیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں دیکھئے مقناطیس میں جو جذب حدید(۱) کی خاصیت ہے اس کی وجہ کوئی نہیں بتلا سکتا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ نماز میں یہ اثر بالخاصہ ہے جس کی علت بتلانے کی ہمیں ضرورت نہیں افسوس اتنی بڑی عبادت جس میں فلاح اخروی بھی ہے اور فلاح دنیوی بھی ہے اور ہم اس سے ایسے غافل ہیں کہ پانچ وقت خدا کی طرف سے ایک منادی(۲) ہم کو پکارتا ہے اور ہم جماعت میں نہیں آتے۔

ترکِ جماعت کی سزا

حالانکہ حدیث میں ہے کہ حضورﷺ فرماتے ہیں: ولقد هممت ان امر بالصلوٰة الى ان قال فاحرق بيوتهم بالنار کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں ایک شخص کو امام بناؤں پھر چند آدمیوں کو ساتھ لے کر دیکھوں کہ کون کون لوگ جماعت میں نہیں آئے پھر جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے گھر پھونک دوں(۳) اور گو آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو پھونکا نہیں مگر چاہا تو تھا اور حضورﷺ کی شان یہ ہے کہ حضرت عائشہ k فرماتی ہیں: انى ارى ربك يسار فى هواك کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کی خواہش کو بہت جلد پورا کردیتے ہیں اور بھلا حضورﷺ کی یہ شان کیوں نہ ہو جب ادنی ادنی مقبولین کی یہ

(۱) لوہے کو کھینچنے کی صلاحیت (۲) بلانے والا (۳) آگ لگادوں۔

شان ہے کہ

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　میدہد یزداں مراد متقین (۱)

تو معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ نے ایسا چاہا ہے تو خدا تعالیٰ نے بھی ضرور چاہا ہے اب بتلاؤ جس کے گھر کو خدا اور رسول پھونکنا چاہیں (۲) وہ کیونکر بچ سکتا ہے تو جو لوگ جماعت میں نہیں آتے ان کے گھر میں ضرور آگ لگی ہے شاید تم کہو کہ ہمارا گھر کہاں جلا وہ تو اچھا خاصا موجود ہے۔

بے نمازی کے چہرے سے بدرونقی عیاں ہوتی ہے

تو اس کے متعلق مولانا رومی کا جواب سن لو فرماتے ہیں ؎

آتشے گرنا مدست ایں دود چیست　　جاں سیہ گشت ورواں مردود چیست

یہ تھوڑی آگ لگی ہوئی ہے جس کے دھوئیں نے دل کو سیاہ کردیا اور چہرہ پر وحشت وظلمت برس رہی ہے۔ اس ظلم قلب سے بے نمازی کے چہرہ پر ہی ضرور ایک اثر ہوتا ہے جس سے اس کا بے نمازی ہونا لوگوں کو معلوم ہوجاتا ہے نمازی کے چہرہ پر جو نور ہوتا ہے وہ بے نمازی کے چہرہ پر نہیں ہوتا اور یہ اثر قلب کا ہے نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے اور بے نمازی کے دل میں بھی ظلمت ہے اس کا اثر چہرہ کی بدرونقی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ آگ ضرور لگی ہے اسی کا یہ دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کردیا ہے۔ دل کی سیاہی یہ ہے کہ بہت لوگوں کو نہ رشوت سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے اور قرض لے کر انکار کردینے سے نہ لڑکوں اور

(۱) تم جو چاہتے ہو اللہ وہی کردیتا ہے کیونکہ اللہ متقیوں کی مراد کو پورا کرتے ہیں (۲) اللہ ورسول آگ لگانا چاہیں۔

عورتوں کو گھورنے سے وغیرہ وغیرہ اور مولانا کا یہ ارشاد حدیث سے مؤید ہے(۱)۔
حدیث میں ہے: ان المؤمن اذا اذنب کانت فی قلبه نکتة سوداء فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذلکم الران الذی ذکر اللّٰہ تعالٰی: ﴿کَلَّا بَلْ﴾ ''سنن ابن ماجۃ: ۴۲۴۴، مسند احمد ۲، ۲۹۷'' (سکتہ) ﴿رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾ (قال الترمذی حسن صحیح مشکوۃ ص ۱۷۰) یعنی جب مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہوجاتا ہے پھر اگر توبہ استغفار کرلے تو دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر گناہ میں بڑھتا گیا تو یہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتا ہے یہی وہ زنگ ہے جس کی بابت حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾ یعنی ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ غالب ہوگیا ہے۔ اسی کو مولانا ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

ہر گنہ زنگے ست برمرآۃ دل — دل شودزیں زنگ ہاخوار و خجل
چوں زیادت گشت دل را تیرگی — نفس دون را بیش گرد و خیرگی(۲)

یہ تو بالکل حدیث کا ترجمہ ہے پس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ گناہوں سے دل سیاہ ہوجاتا ہے اسی کو مولانا نے فرمایا کہ آگ نہیں لگی تو یہ دھواں کہاں سے آیا کہ دل سیاہ ہوگیا اور صورت پر پھٹکار برستی ہے۔ بزرگوں کا کلام کلیّا یا جزئیا(۳) بالکل حدیث وقرآن کا ترجمہ ہے گو ظاہر میں اشعار نظر آتے ہیں۔

---

(۱) مولانا کے اس ارشا کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے (۲) ہر گناہ سے آئینہ دل پر زنگ لگتا ہے اس زنگ کی باعث دل ذلیل ہوتا ہے جب یہ سیاہی بہت بڑھ جاتی ہے تو نفس برائی میں مبتلا رہتا ہے (۳) مکمل طور پر یا جزوی طور پر۔

مثنوی الہامی کتاب ہے

لکھنو میں ایک دفعہ میرا بیان ہوا تو اتفاق سے اس میں مثنوی وغیرہ کے اشعار زیادہ پڑھے گئے اس وقت ایک غیر مقلد بھی موجود تھے۔ بیان کے بعد کہنے لگے کہ وعظ تو بہت اچھا ہے مگر اتنی کسر ہے کہ اس میں قال اللہ وقال الرسول کم تھا اشعار زیادہ تھے اگلے دن پھر بیان ہوا تو میں نے قصداً اشعار زیادہ پڑھے اور ہر اک شعر کے مضمون کو حدیث وقرآن سے ثابت کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث وقرآن کا ترجمہ ہے اور اگر کسی جگہ حدیث وقرآن کا ترجمہ بھی نہ ہو تو محقق کا کلام خدا ورسول کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا بلکہ اللہ ورسول ﷺ ہی کی مراد کو واضح کرتا ہے گو بعینہ ترجمہ نہ ہو بالخصوص مثنوی شریف کہ وہ تو خود الہامی کتاب ہے چنانچہ مولانا جامی کا ارشاد ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ قرآن سے مراد کلام الٰہی پس اس کا مطلب یہ ہے کہ مثنوی کلام الٰہی ملہم ہے(۱) یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن کا ترجمہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں بہت سی حکایات ایسی ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں ہاں بعض جگہ بعینہ ترجمہ قرآن بھی ہے مگر سب جگہ نہیں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ الہام فارسی میں کیوں ہوا کیونکہ حق تعالیٰ کسی زبان کے ساتھ مقید نہیں ہیں وہ فارسی میں بھی تکلم اور الہام فرماسکتے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

پارسی گو گرچہ نازی خوشترست عشق را خود صد زباں دیگرست(۲)

(۱) مثنوی کے مضامین اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کئے جو انہوں نے اشعار میں قلم بند کئے (۲) فارسی بولنے والا اگرچہ اپنی زبان دانی پر خوش ہورہا ہے لیکن عشق کی تو خود ہی سینکڑوں زبانیں ہیں۔

تو یہ اشعار یعنی (ہر گنہ زنگے ست) الخ علاوہ کلام محقق اور کلام ملہم ہونے کے حدیث کا ترجمہ [(۱)] بھی ہیں اس لئے مولانا کا ارشاد بالکل بجا ہے کہ آگ ضرور لگی ہے اسی سے دل سیاہ ہوا ہے۔ رہا یہ کہ آگ کے ساتھ تو سوزش بھی ہوتی ہے [(۲)] اور بے نمازی کو تو سوزش نہیں ہے تو خوب یاد رکھو کہ سوزش بھی ہے مگر فالج غفلت کی وجہ سے جسم سن ہو رہا ہے [(۳)] اس لئے اس کا احساس نہیں ہے جیسے کلوروفارم سونگھنے والے کو زخم نشتر کا احساس نہیں ہوتا ایسے ہی ان لوگوں نے غفلت کا کلوروفارم سونگھ رکھا ہے اس لئے گناہوں کی سوزش کا احساس نہیں ہوتا مگر ایک دن یہ فالج اور یہ سن اور بے ہوشی اترے گی اس وقت گناہوں کی سوزش کا احساس ہوگا۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار　　　　افرس تحت رجلک ام حمار [(۴)]

اس وقت غفلت کے غبار آنکھوں پر سوار ہیں اور دینداروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ان کو گدھے پر سوار سمجھتے ہیں مگر جس دن یہ غبار بیٹھ جاوے گا اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ گدھے پر سوار کون تھا اور گھوڑے پر سوار کون۔

خدائی آگ

دوسرے یہ گناہوں کی آگ خدائی آگ ہے جس کی خاصیت یہ ہے:
﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ﴾ [(۵)] ''وہ اللہ کی آگ ہے جو اللہ کے حکم سے سلگائی گئی ہے جو بدن کو لگتے ہی دلوں تک پہنچ جاتی ہے'' اس کا اصل محل قلب ہے اور دعوے سے کہا جاتا ہے کہ گناہ گار کا دل بے چین ہوتا ہے اس کو

(۱) ہر گنہ زنگ ہست والے اشعار تو اللہ کا الہام کردہ کلام بھی ہے اور ترجمہ حدیث بھی (۲) جلن (۳) غفلت کا فالج ہوا ہے جس کی وجہ سے جلن کا احساس نہیں ہو رہا (۴) جیسے ہی غبار چھٹے گا تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا ہے کہ گدھا (۵) سورۂ ہمزۃ: ۶، ۷۔

راحت و چین نصیب نہیں ہوتا۔ گناہ سے دل کمزور اور ضعیف ہوجاتا ہے یہ اسی آگ کا تو اثر ہے جس نے اندر اندر دل کو پھونک دیا ہے (۱)

گناہوں کی حقیقت

اور صوفیہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ یہ گناہ خود ہی آگ ہیں اور جہنم انہی کی صورت مثالی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کا فی نفسہ وجود نہیں بس معاصی (۲) ہی کو مجازاً جہنم کہہ دیا گیا جیسا کہ فلاسفہ نے نعیم وجحیم کی حقیقت علم وجہل سمجھی ہے مطلب یہ ہے کہ جہنم خارج میں موجود ہے اور اسی طرح موجود ہے جس طرح حدیث وقرآن میں خبر دی گئی ہے مگر اس کی حقیقت یہی معاصی ہیں جہنم کی آگ اور سانپ بچھو وغیرہ سب انہی گناہوں کی صورت ہیں چونکہ اس عالم میں اعراض بھی جواہر بن جاتے ہیں اس لئے یہی گناہ جو یہاں کیے جاتے ہیں ان ہی کی یہ صورتیں بن گئیں اور پہلے سے بن گئیں۔ امام غزالی m نے یہی بات لکھ دی تھی جس کو لوگوں نے جہنم منصوصہ کی حقیقت کے انکار پر محمول (۳) کیا اور امام پر فتویٰ لگانے لگے مگر یہ حمل غلط ہے امام غزالی m اس سے بری ہیں لوگوں نے ان کے کلام کو سمجھا نہیں یہ مسئلہ میں نے اس لئے بیان کردیا تھا کہ اگر کسی کی نظر سے یہ بات گزرے تو غلطی میں نہ پڑے غرض صوفیہ کے قول پر تو یہ گناہ ہی خود آگ ہیں ان کے لئے کسی دوسری آگ کی ضرورت نہیں مرنے کے بعد یہی آگ اور سانپ بچھو بن کر ستائیں گے پس گنہگار مرنے کے بعد تو صورت جہنم میں جائے گا اور اس وقت وہ حقیقت جہنم میں موجود ہے کیونکہ بڑا جہنم یہ ہے کہ حضرت حق ناراض ہوں۔

---

(۱) جلادیا ہے (۲) گناہوں کو (۳) لوگوں نے امام غزالی m کے کلام سے یہ سمجھا کہ انہوں نے اس جہنم کے وجود کا انکار کیا ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے۔ اس وجہ سے ان پر غلط فتوے لگائے۔

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت　　فراق یار نہ آں می کند کہ بتواں گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر　　کنایتیست کہ از روزگار ہجراں گفت (۱)

ایمان کا اثر

صاحبو! جہنم انہی کے واسطے جہنم ہے جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہوں اور جس سے خدا راضی ہو اس کے لئے جہنم کوئی چیز نہیں بلکہ ان سے تو جہنم خود پناہ مانگتی ہے ان کے ایمان کے اثر سے وہ خود ٹھنڈی ہونے لگے گی حدیث میں ہے کہ جس وقت مسلمان پل صراط سے گزریں گے جو جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا تو مومن متقی سے جہنم کہے گی جزیا مؤمن فان نورك اطفا ناری ''اے مومن جلدی سے پار ہو جا تیرے نور نے میری نار ہی کو بجھا دیا''

ایک جماعت اولیاء کا حال

نیز مولانا رومی m نے ایک جماعت اولیاء کا حال لکھا ہے کہ وہ پل صراط سے گزر کر جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے سوال کریں گے کہ ہم نے سنا تھا کہ پل صراط سے گزرتے ہوئے جہنم بھی راستہ میں آتا ہے مگر ہم کو تو ملا ہی نہیں تو ارشاد ہوگا کہ تم نے ایک باغ سرسبز وشاداب دیکھا تھا یا نہیں وہ کہیں گے ہاں باغ دیکھا تھا ارشاد ہوگا کہ وہی جہنم تھا جو تمہارے ایمان کی برکت سے گلزار ہوگیا جیسے حضرات ابراہیم d کے لئے دنیا میں آگ گلزار ہوگئی تھی۔

گلستان کند آتشے برخلیل　　گروہے بآتش بروز آب نیل (۲)

اور نیز قیامت میں انبیاء f اور بعض مومنین اذن شفاعت (۳) کے بعد

---

(۱) میں نے سنا ہے کہ کنعان کے شیخ نے یہ بات کہی ہے کہ محبوب کی جدائی کی خبر سے جو حال ہوتا ہے واعظ شہر قیامت کی جو منظر کشی کرتا ہے وہ اصل میں اسی سے کنایہ ہے (۲) حضرت ابراہیم d پر آگ کو گلزار بنادیا اور ایک گروہ کے لئے دریائے نیل کے پانی کو آگ بنادیا کہ اس میں ڈوب گئے (۳) سفارش کرنے کی اجازت ہوجانے کے بعد دوزخ میں گھس کر۔

جہنم میں گھس گھس کر دوزخیوں کو نکالیں گے مگر جہنم ان کا کچھ بھی نہ کر سکے گی اور اس وقت بھی زبانیہ جہنم دوزخ میں (۱) موجود ہیں مگر ان کو اس سے کچھ ضرر نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو کامل الایمان ہیں اور جن میں ایمان ضعیف ہے ان کو بھی جہنم پوری طرح نہ جلا سکے گی کیونکہ ان کے دل میں ایمان ہے مومن کے قلب پر آگ کا اثر نہ پہنچے گا اور حدیث مسلم میں ہے کہ اماتھم اللّٰہ اماتۃ کہ گنہگار مسلمانوں کو حق تعالیٰ جہنم میں داخل کر کے ایک قسم کی موت یعنی نیند کا سا اثر دیدیں گے پھر ان کو عذاب جہنم کا کافر کے برابر احساس نہ ہوگا الغرض اصل جہنم تو خدا کی ناراضی ہے۔

شریف طبائع کا خاصہ

اور خدا کی ناراضی گناہوں سے ہوتی ہے تو گناہ خود جہنم ہیں اگر سزا بھی نہ ہو اور ویسے ہی چھوڑ دیئے جائیں تو حق تعالیٰ کا ناراض ہونا ہی خود جہنم ہے بلکہ شریف طبائع کا خاصہ یہ ہے کہ ان کو جرم پر سزا مل جانے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے اور اگر سزا نہ ملے تو رنج زیادہ ہوتا ہے کوئی ان سے جہنم کی حقیقت پوچھے وہ یہی کہیں گے کہ معصیت ہی خود جہنم ہے۔ پس اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے یا جماعت کی پابندی نہیں کرتے ان کے گھر میں ضرور آگ لگی ہے اور ایک دن اس کی سوزش کا احساس (۲) ضرور ہوگا گو ابھی نہ ہو۔

صاحبو! بعض طاعات کا موقعہ تو کبھی کبھی آتا ہے مثلاً روزہ سال میں ایک بار آتا ہے اور بعض طاعات سب پر فرض نہیں مثلاً حج اور زکوٰۃ سب پر فرض نہیں مگر نماز تو ایسا ظاہر فرض ہے جس کی فرضیت سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے امیر وغریب سب پر یکساں فرض ہے پھر اس کے لئے کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں روزانہ پانچ دفعہ فرض ہے تو یہ طاعت سب سے اہم اور ضروری ہے۔

(۱) دوزخ کے فرشتے (۲) اسکی جلن کا احساس ضرور ہوگا۔

ہماری قوت عملیہ کی کمزوری

مگر اس کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہے کہ مسلمان بہت کم ایسے ہیں جو اس کے پابند ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوت عملیہ کمزور ہے اور قوت عملیہ اس لئے کمزور ہے کہ قوت علمیہ کمزور ہے اگر ہم کو گناہوں کا ضرر پورا پورا معلوم ہوتا تو ترک صلوٰۃ پر ہم کو جرات نہ ہوتی جیسے سنکھیا(۱) کے ضرر کا ہم کو علم ہے تو کبھی تجربہ وامتحان کے لئے بھی کسی نے نہ کھایا ہوگا نیز اوپر سے گرنے کا ضرر سب کو معلوم ہے تو امتحان کے واسطے کبھی کوئی اوپر سے نہ گرا ہوگا اور جو لوگ ایسی بے ہودگی کرتے ہیں کسی جہل کے غلبہ سے ان چیزوں کی مضرت کا علم ہی ضعیف ہوجاتا ہے پس معلوم ہوا کہ ہم کو گناہوں کے ضرر کا علم ایسا بھی نہیں جیسا کہ سنکھیا کھانے اور اوپر سے گرنے کے ضرر کا علم ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ گناہوں کا ارتکاب بے دھڑک کرلیا جاتا ہے اور ان کاموں کو بھول کر بھی نہیں کیا جاتا اور یہی قوت علمی کی کمزوری ہے کہ جس چیز کا ضرر سنکھیا کھانے اور اوپر سے گرنے کے ضرر سے بھی اشد ہے(۲) اس کو ہم نے ان سے بھی کم کررکھا ہے ورنہ کبھی تو تجربہ کے لئے ان افعال کا بھی ارتکاب کیا ہوتا۔

احمق کی حکایت

جیسے بوجھ بجکڑ کی حکایت ہے کہ اس کی بستی میں ایک آدمی درخت پر چڑھ گیا تھا پھر اترا نہ گیا تو شور مچانے لگا آدمی جمع ہوگئے وہ بھی سب بے وقوف تھے کسی کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہ آئی تو بوجھ بجکڑ کو بلایا گیا اس نے اوپر تلے دیکھ کر تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ بس تدبیر سمجھ میں آگئی ایک رسا اس کے پاس پھینکدو اور کہو کمر سے باندھ لے اس نے باندھ لیا پھر لوگوں کو حکم دیا کہ رسے کو زور سے جھٹکا دو

(۱) زہر کے نقصان کا ہمیں علم ہے (۲) سخت ہے۔

لوگوں نے جو جھٹکا مارا تو بدن تو نیچے آ گیا مگر روح اوپر کو اڑ گئی لوگوں نے بوجھ بجکڑ سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہنے لگا اس کی قسمت میں موت ہی تھی ورنہ میں نے تو اس ترکیب سے بہت آدمی کنویں سے نکالے ہیں۔

اس طرح ایک بھینس کا سر اناج کی کوٹھی(۱) میں پھنس گیا تھا بے چاری وہیں کی وہیں رہ گئی اب کوٹھی کو توڑتے ہیں تو ناج کا نقصان اور نہیں توڑتے ہیں تو بھینس کی جان جاتی ہے جب سارے تھک گئے اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو بوجھ بجکڑ کو بلایا گیا اس نے کہا کہ بھینس کا سر کاٹ دو پھر آدمی سے کہو کہ اوپر سے اندر گھس کر سر نکال لاوے (کیونکہ ناج کی کوٹھی کے دو منہ ہوتے ہیں ایک اوپر وہ بڑا ہوتا ہے اور ایک نیچے وہ چھوٹا ہوتا ہے ۱۲) جب سر کاٹ دیا گیا تو بھینس مرگئی اب سر کو نکال کر لائے بھی تو وہ جڑ کہاں سکتا ہے۔

علمی اور عملی کمزوری کا سبب

صاحبو! ہم اس کو بے وقوف اور احمق کہتے ہیں مگر ہم بھی اسی حماقت میں مبتلا ہیں کیونکہ اس نے بھی امتحاناً یہ فعل کئے تھے اس کو اوپر سے گرنے اور سر کاٹنے کے ضرر کا علم نہ تھا اگر اس کو ضرر کا علم کافی ہوتا تو کبھی ایسی رائے دینے کی جرأت نہ کرتا مگر اس نے محض آزمایا ہی تھا جیسے ہم امتحان کے لئے کبھی نماز کو ترک کر دیتے ہیں اور بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس گناہ کا مزا تو دیکھ لیں پھر نہ کریں گے اس امتحان کی وجہ یہی ہے کہ ہم کو ضرر کا (۲) علم پورا نہیں اگر علم ضرر کافی ہوتا تو تجربہ کی کبھی ہمت نہ ہوتی اور یہ کچھ علم نہیں کہ دو چار الفاظ یاد کر لئے کہ نماز نہ پڑھنا گناہ ہے رشوت اور سود حرام ہے

(۱) گندم رکھنے کے لئے جو کچا کوٹھا بنایا جاتا ہے اس میں گندم نکالنے کے لئے نیچے چھوٹا سوراخ ہوتا ہے اس میں بھینس کا سر پھنس گیا (۲) ہمیں اس کے نقصان کا پورا علم نہیں ہے۔

وغیرہ وغیرہ علم وہ ہے جس کا طبیعت پر اثر ہو جو دل میں گھس گیا ہو جیسے سنکھیا کا زہر قاتل ہونا دل میں گھسا ہوا ہے مگر ہماری یہ حالت گناہوں کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہاں تو ایسی بے فکری اور دلیری ہے کہ اگر کوئی ان کو خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہے کہ بھائی نماز پڑھا کرو یا برے کام نہ کیا کرو تو یہی لوگ جو چند الفاظ پڑھے ہوئے ہیں اور تعلیم یافتہ و مہذب کہلاتے ہیں ناصح کو یوں جواب دیتے ہیں کہ میاں تم ہی جنت میں چلے جانا ہم دوزخ ہی میں سہی۔

گناہوں کے ارتکاب کا سبب

بھلا یہ جواب سن کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کو گناہوں کے ضرر کا علم ہے ہم تو جب جانیں کہ یہی شریف آدمی جو جہنم میں جانے پر تیار ہو ڈکیتی کر کے بھی یہ کہہ دے کہ میاں تم آرام سے گھر بیٹھے رہو ہم جیل خانہ ہی میں سہی یا کسی کا گھر جلتا ہو اور کوئی اس کو خبر دے تو بے فکری کے ساتھ یہ کہہ دے کہ میاں تم ہی گھر میں راج کرو ہم بے گھر ہی سہی صاحب! ایک ذرا سے جھونپڑے کے بچانے کی بھی سب کو فکر ہوتی ہے مگر افسوس جنت کے بارے میں ہم ایسے سخی بنے ہیں کہ گناہوں کی بدولت وہ ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوتی ہے تو اس کی ذرا فکر نہیں اب تو سمجھ میں آ گیا کہ درحقیقت ہم کو گناہوں کے ضرر کا علم ہی نہیں اور جو کچھ ہے وہ محض الفاظ کے درجہ میں ہے جس کا مفہوم قلب میں کچھ نہیں پس یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ علمی اور عملی کمزوری گناہوں کا سبب ہے اور یہ بلا آج کل ہر جگہ عام ہے جس کے عموم میں یہ مقام بھی داخل ہے اس لئے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اسی کو حق تعالیٰ نے آیات میں بتلایا ہے۔

بڑا شرف خوف خدا ہے

فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ ’’بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے‘‘ اس میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے کان کھولے ہیں جو زمینداری پر یا کسی عہدہ پر یا شرف نسب اور جائیداد و مال وغیرہ پر فخر کرتے ہیں کہ سن لو بڑا شرف خدا کا ڈر ہے یعنی تقویٰ اور پرہیز گاری جس کا حاصل ہے گناہوں سے بچنا اسی سے کامل شرافت حاصل ہوتی ہے اس میں تو ضرورت عمل پر تنبہ (۱) کیا گیا ہے اور ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ ’’بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں‘‘ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خدا کا خوف علم سے حاصل ہوتا ہے مطلب یہ ہوا کہ قوت عمل علم پر موقوف ہے پس علم و عمل دونوں کی ضرورت ثابت ہوگئی اب اگر کسی کو فلاح اور اصلاح کی طلب ہو وہ علم و عمل حاصل کرنے کی سعی کرے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب مدرسہ میں آجاویں کیونکہ اس کو آج کل دنیا سے بے کاری کا سبب سمجھتے ہیں تو سن لو کہ علم و عمل کا حاصل ہونا بے کار بننے پر موقوف نہیں آپ سارے کام کرتے رہیں جب بھی یہ دولت مل سکتی ہے گو بعد میں دنیا سے اضطراراً بے کار (۲) ہو جانا پڑتا ہے مگر وہ بے کاری ایسی لذیذ ہوگی کہ آپ ہزار کاموں کو اس پر فدا کریں گے اس کو آپ خود اختیار کریں گے باقی ہم آپ سے بے کار بننے کو نہ اب کہتے ہیں نہ جب کہیں گے۔

علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ

اب وہ طریقہ بتلاتا ہوں تو سنئے علم حاصل کرنے کا سہل طریقہ تو یہ ہے کہ

(۱) عمل کی ضرورت پر متنبہ کیا (۲) دین کی خبر ہونے کے بعد آدمی دنیا سے خود بخود بے خبر ہو جاتا ہے۔

آج کل مسائل دینیہ کی کتابیں اردو میں بکثرت ہیں عقائد کی بھی اور احکام کی بھی ان کو تنہائی میں دیکھا کیجئے اور فراغ کے اکثر اوقات میں کتب بینی میں رہا کیجئے یار دوستوں کے ساتھ مجلس آرائی چھوڑ دیجئے۔

ضرورت خلوت اور اس کا مفہوم

آپ نے اب تک خلوت (۱) اختیار کی نہیں اس لئے اس کی قدر نہیں اگر کچھ دنوں خلوت اختیار کرلو تو پھر جلوت (۲) سے گھبراؤ گے مگر خدا کے لئے تنہائی میں ناول نہ دیکھو اس کو تو اول دیکھو ہی نہیں اور اگر کسی معقول ضرورت سے دیکھو بھی تو جلوت میں دیکھو مگر دوسروں کو نہ سناؤ۔ کیونکہ مجمع میں دیکھنے سے ذہن منتشر رہتا ہے تو اچھی طرح مضمون کا اثر دل پر نہیں ہوتا اور خلوت میں جو مضمون دیکھا جاتا ہے اس کا دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ پھر ناول کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کو عورتوں کے گھورنے اور جھانکنے تاکنے کا خیال ہوگا پھر وصال کی ہوس ہوگی (۳) اور وہ ترکیبیں استعمال کرو گے جو ناول میں دیکھیں تھیں جس سے دنیا و آخرت دونوں برباد ہوں گے۔ یاد رکھو خلوت کے معنی یہ نہیں کہ آدمی اکیلا بیٹھا رہے چاہے دل میں کچھ ہی بھرا ہو بلکہ خلوت کے معنی یہ ہیں کہ دل خدا کے ساتھ لگا رہے۔ پس جب تک خلوت میں دل خدا کے ساتھ لگا رہے خلوت میں رہو۔

نیک لوگوں کی مجالست

اور جب خلوت میں قلب کو انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے (۴) تو مجمع میں بیٹھو مگر نیک مجمع میں اس سے خطرات دفع ہوں گے اس وقت یہ جلوت ہی

(۱) تنہائی (۲) لوگوں کے ہجوم سے (۳) ان سے ملنے کی خواہش ہوگی (۴) وسوسے اور پراگندہ خیالات آنے لگیں۔

خلوت کے حکم میں ہے (۱) کیونکہ مقصود ربط قلب باللہ ہے(۲) اور اس وقت وہ خلوت سے حاصل نہیں بلکہ مجمع میں بیٹھنے سے حاصل ہے اسی کو شیخ شیرازی m فرماتے ہیں۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
گرت مال وزر ہست وزرع وتجارت چو دلبا خدایست خلوت نشینی (۳)

خلوت کا طریقہ وفائدہ

اور ایک بزرگ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں:

چوں باہمہ چو بامنی بے ہمہ چوں بے ہمہ چو بے منی باہمہ (۴)

یعنی جو شخص سب کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کا دھیان لگائے رکھے اور ان کی یاد میں مشغول رہے وہ اگر باہمہ بھی ہے یعنی مجمع کے ساتھ ہے مگر بے ہمہ ہے یعنی خلوت میں ہے اور جو شخص خدا کو چھوڑ کر اور چیزوں کا خیال رکھے اگر وہ بے ہمہ بھی ہے یعنی خلوت میں ہے مگر باہمہ ہے یعنی خلوت میں نہیں۔ غرض خلوت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تنہائی میں بیٹھ کر ناول دیکھا کرو بلکہ یہ معنی ہیں کہ تنہائی میں خدا کے ساتھ دل لگاؤ، میں یہ نہیں کہتا کہ دن بھر خلوت میں رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اوقات کو ضبط کر کے کچھ وقت خلوت کا بھی نکالو اور اس وقت میں کسی محقق سے پوچھ کر اس کے کہنے کے موافق عمل کرو۔ وہ آپ کو کچھ دیر مطالعہ احکام کا امر کرے گا کچھ دیر ذکر اللہ بتلائے گا اس طرح خلوت کر کے دیکھو اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ اللہ اللہ کر کے دیکھو پھر تم لوگوں کی صحبت سے خود ہی رسے توڑاؤ گے اس وقت مولانا کا یہ قول صاف واضح ہو جائے گا۔

---

(۱) مجمع میں بیٹھنا ہی خلوت وتنہائی کے حکم میں ہے (۲) مقصود دل کا اللہ سے جڑنا ہے (۳) جب تو (خدا) ہر وقت دل میں بسا ہو تو پھر خلوت نشینی کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر دل میں مال ودولت زراعت وتجارت کے خیالات بھرے ہوں تو خدا کی یاد کے لئے خلوت نشینی بہتر ہے (۴) جو شخص ہر وقت خدا کے دھیان میں ہے وہ مجمع میں ہوتے ہوئے بھی خلوت میں ہے۔ اور جسکا دھیان خدا کی طرف نہیں وہ خلوت میں ہوتے ہوئے بھی ہجوم میں ہے۔

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست(۱)

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم لوگ تو اپنے کو شیخ زادہ سمجھ کر شیخ سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں گویا اپنے کو بجائے شیخ زادہ کے شیخ زیادہ سمجھتے ہیں (۲)۔ اس لئے کسی سے طریقہ پوچھتے ہوئے عار آتی ہے صاحبو! بدوں جاننے والے کی رہبری کے تو آپ ایک دو میل بھی نہیں جاسکتے پھر خدا کے راستہ میں کیونکر چل سکتے ہو جس کی شان یہ ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست　　ہر چہ بروئے میرسی بروئے مئیست (۳)

فراغ و وسعت بڑی دولت ہے

مجھے ان لوگوں پر زیادہ افسوس آتا ہے جو صاحب وسعت (۴) ہیں کہ ہر کام ان کے اشارہ پر ہوتا ہے صرف زبان ہی ہلانی پڑتی ہے اور پھر بھی وہ عمر عزیز کو فضول کاموں میں ضائع کرتے ہیں۔ اہل حاجت کو تو دنیا کے کاموں ہی سے فرصت کم ملتی ہے مگر اہل وسعت کو کیا ہوا ان کو تھوڑی دیر خلوت میں خدا کو یاد کرنے سے کون چیز مانع ہے یہ فراغ و وسعت بھی بڑی دولت ہے ان کو اس کی قدر کرنا چاہئے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

خوشا روز گارے کہ دارد　　کسے کہ بازار حرصش نباشد بسے

بقدر ضرورت یسارے بود　　کند کارے از مرد کارے بود (۵)

---

(۱) ہر جگہ شکاری جال لگائے ہوئے ہیں خلوت نشینی کے سوا کوئی چارہ نہیں (۲) سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی۔ شیخ زادگان کہلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنی اس نسبت کی وجہ سے خود کو اپنے شیخ سے بھی بڑا شیخ سمجھتے ہیں (۳) اے بھائی اس میدان کی کوئی انتہاء ہیں ہے جس منزل پر پہنچو گے اس سے آگے منزل ہے (۴) جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی فراغت دی ہے (۵) بہترین روزگار وہ ہے جس پر آدمی قناعت کرلے بقدر ضرورت حاصل کرے اور اپنے کام میں لگ جائے۔

مطالعہ دینی کتب وذکر اللہ

تو اگر کسی کو مدرسے میں آنا گوارہ نہ ہو تو وہ اردو رسالے ہی پڑھ کر علم حاصل کرلے اگر اردو جانتا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کسی اہل اللہ کے پاس جایا کرو اس کی صحبت سے بھی علم وعمل دونوں حاصل ہوجائیں گے اگر روز جانا نہ ہو تو ہفتہ میں ایک دن ہی مقرر کرلو جو تعطیل کا دن ہے یعنی جمعہ کا دن اس سے زیادہ اور کیا آسان ترکیب ہوگی اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

مقام امن ومئے بے غش ورفیق شفیق　　گرت مدام میسر شود زہے توفیق (۱)

یہ خلوت از اغیار اور صحبت بایار یعنی شیخ کے متعلق فرمایا ہے اور ذکر اللہ اور کتب بنی کے متعلق حافظ شیرازی m فرماتے ہیں:

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست　　صراحی مئے ناب وسفینہ غزل ست (۲)

صراحی مے ناب سے مراد ذکر اللہ ہے جس کی مستی کے سامنے شراب کی مستی بھی ہیچ ہے اس سے وہ سرور ونشاط حاصل ہوتا ہے جو کسی شراب سے نہیں ہوتا پھر مزا یہ کہ یہاں سرور ہی سرور ہے فساد عقل اور شرور نہیں ہیں یہ ترکیب تو مردوں کے لئے علم وعمل حاصل کرنے کی ہے۔

عورتوں کی تعلیم کا طریقہ

اور عورتوں کے واسطے یہ ترکیب ہے کہ مرد مسائل معلوم کر کے ان کو بتلائیں اور عمل کی تاکید کریں اور دیکھتے رہیں کہ جو احکام ان کو بتلائے گئے ہیں ان پر عمل ہوتا ہے یا نہیں یہ کام مردوں کے ذمہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھی جہنم سے

(۱) اگر کسی کو مقام امن اور بے ملاوٹ شراب اور رفیق شفیق میسر آجائے تو یہ اللہ کی بہت بڑی توفیق وعنایت ہے (۲) اس زمانے میں اگر کوئی بے غرض دوست میسر آجائے تو وہ صراحی ناب اور سفینہ غزل کی مانند ہے۔